

تعلیم و تربیت

ستمبر 2011



مسخرہ

ایک دل گداز کہانی

صفحہ: 8



# دل چسپ اور سبق آموز کہانیاں

..... بچہ بچہ کے لیے بھاری بھاری کہانیاں .....



www.paksociety.com

ہدایات برائے آرڈررز:

- پنجاب: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور 042-111-626262
- سندھ اور بلوچستان: پبلی منزل، مہراں ہائیکس، مین کلفٹن روڈ، کراچی 021-35867239 - 35830467
- خیبر پختونخوا، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277 پٹا اور روڈ سداول چٹائی 051-5124970 - 5124897



ہمارے شہر و سرزمین آپ کے لیے انتخابی اور بڑے اور بڑے  
کتابیں اور کتابیں

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ  
لاہور - راولپنڈی - کراچی

Paksociety.com



# تعلیم و تربیت

بچوں کا  
محبوب رسالہ

رنگین آئل پاکستان نوز ہیرز سوسائٹی

71 سالہ پاکستانی شہر

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

ایک شہر ہے

ستمبر 2011

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

11 ستمبر 1948ء کو بنی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ہم سے جدا ہوئے تھے۔ پیارے قائد کا ہر عمل اور ہر قول ہمارے لیے مشعل رہا ہے۔ ان کے فرمودات پر ہم سچے دل سے عمل کریں تو خدا و مل جلنے کا ثبوت بن سکتا ہے۔ قائد سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے افکار پر عمل کریں اور ان کے فرمودات کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

ہم ہر سال 6 ستمبر کو تمام ممالک "معاذ اللہ" مناتے ہیں۔ یہ دن ان سے ہم 46 سال قبل ہمارے لڑکی دشمن نے ہمیں شکم لہا کر دیا تھا۔ ان کے اندھیرے میں ہم پر سیاہی بھرا کر دیا تھا۔ پاک فوج کے جوانوں نے سبے مثال برأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو یہاں تک توڑ جواب دیا تھا کہ وہ اپنے فوجیوں کی لاشیں اور سلاخیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ہم ممالک کے حوالے سے تحریریں اس شمارے میں شامل ہیں۔

چند ماہ قبل ہم نے دو نئے سلسلے "کھوج لگائیے" اور "عقلم عقلم" شروع کیے تھے۔ ان سلسلوں کو آپ بے حد پسند کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ سلسلے جاری رہیں گے۔ ہاں اہل سلسلہ "بھری زندگی کے مقاصد" کے بارے میں کچھ دوستوں کی رائے ہے کہ یہ پورا ہوتا جا رہا ہے اور اسے بند کر کے کوئی نیا سلسلہ شروع کیا جاسکے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ اپنی رائے دیجئے تاکہ اس سلسلے کو جاری رکھنے یا بند کرنے کا فیصلہ کیا جاسکے۔

جب یہ شمارہ آپ کو ملے گا عید الفطر کی آمد آ رہی ہوگی۔ عید کی خوشیوں بھری ساعتوں میں غریب و نیاز لوگوں کو مت بھولیں گے۔ ان لوگوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل کیجئے گا۔ ہماری طرف سے عید کی مبارکباد قبول کریں۔

اب آپ اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیجئے۔

طوفانِ مریں، شمارہ چھپا رہا ہے۔

اور بہت سے دل چاہنے والے ہیں۔

سرور دینی: مسٹر

سر کوٹلیشن اسپینٹ

شیر

اسٹینٹ ایڈیٹر

ایڈیٹر، پبلشر

چیف ایڈیٹر

محمد بشیر راہی

سید

نذیر انبالوی

فطیمہ سہم

عید السلام

پتہ: تعلیم و تربیت 32، منور علی روڈ، لاہور۔  
UAN: 042-111 52 52 52 Fax: 042-5278816  
E-mail: tarbiya@live.com

یہ سبھی امور: منور علی روڈ، لاہور۔  
منور علی روڈ، لاہور۔  
سر کوٹلیشن منور علی روڈ، لاہور۔

منور علی روڈ، لاہور کے لیے سالانہ ہر کے نمبروں کی قیمت: 32 روپے (ایک سال کی صورت)  
منور علی روڈ، لاہور کے لیے سالانہ ہر کے نمبروں کی قیمت: 32 روپے (ایک سال کی صورت)  
منور علی روڈ، لاہور کے لیے سالانہ ہر کے نمبروں کی قیمت: 32 روپے (ایک سال کی صورت)

پاکستان میں ڈیڑھ روپے (ایک سال کی صورت) 500 روپے۔  
شرقی وسطی (ایک سال کی صورت) 1500 روپے۔  
شرقی وسطی (ایک سال کی صورت) 1500 روپے۔



## درس قرآن و حدیث

### ذکر کی فضیلت

فرشتے جواب دیں گے انہوں نے جہنم نہیں دیکھی پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو گا؟ فرشتے عرض کریں گے کہ وہ جہنم کو دیکھ لیں تو وہ اس سے ڈر بھاگیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تم کو گواہ بنا کر ان سب کو نکلتا ہوں۔ اس پر ایک فرشتہ عرض کرے گا کہ فلاں شخص جو کسی کام کے باعث وہاں آگیا تھا اور ذکر کی محفل میں بیٹھ گیا تھا، کیا وہ بھی نکلتا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جو ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے گا وہ بھی عروم نہیں رہے گا۔ ذکر الہی کی فضیلت کے حوالے سے یہ دو احادیث بھی قابل غور ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ ہر شخص کے دل میں دو گھر ہوتے ہیں، ایک میں فرشتے اور دوسرے میں شیطان رہتا ہے۔ جب تک اللہ کی یاد میں رہے، شیطان پہاڑ جتنا ہے، لیکن جو انسانی ذکر الہی سے غافل ہوا، شیطان اس کے دل میں دوسرے گھر شروع کر دیتا ہے۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور وہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا، دونوں کی مثال زلحدہ اور مردہ کی ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والا زلحدہ اور نہ کرنے والا مردہ ہے۔

(بخاری و مسلم)

یاد رہے پچھلا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ایسی مجلسوں میں بیٹھنے والے، نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے والے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں۔ ان کے اس عمل سے بھی اللہ ان کی بخشش فرما دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور ایسی مجلسوں اور لوگوں کے پاس بیٹھیں جو ذکر الہی سے معطر ہوں۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورۃ الکہف آیت ۲۸) ”اور اپنے نفس کو بھی لوگوں کے ساتھ ہاندھے رکھ دو۔ صبح، شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا مندی کے لیے“ اور تیری آنکھیں ان سے تھوڑی نہ کریں۔“

یاد رہے پچھلا اس آیت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن میں ذکر الہی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے، اس کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے اور مصائب پر صبر کرنا بھی ذکر الہی میں شامل ہے۔

بخاری و مسلم شریف میں ایک طویل حدیث مبارک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتے جب کسی ایسی محفل میں جاتے ہیں جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو فرشتے اہل محفل کو اپنے پڑوں سے وصال لیتے ہیں۔ فرشتے اس محفل سے جب اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو اس محفل کا احوال بیان کرتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ لیں تو وہ اور زیادہ عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کریں گے کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کریں گے کہ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کریں گے کہ انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو گا؟ فرشتے کہیں گے کہ وہ جنت کی زیادہ شدت کے ساتھ طلب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سوال کریں گے کہ وہ کس چیز سے پتہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ وہ جہنم کی آگ سے پتہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا انہوں نے جہنم دیکھی ہے؟





کر دیا کرتی تھیں۔ افضل اور اس کے گھر کے ساتھ میری بہت  
 اچھی باتیں وابستہ تھیں۔ پھر میرے ابو کا جہولہ دوسرے شہر ہو  
 گیا اور یوں ہم جدا ہو گئے۔ پہلے تو غلطوٹ کے ذریعے ہمارے  
 درمیان رابطہ رہا۔ پھر زندگی کی تیز رفتاری نے ہم سب کو الگ  
 کر دیا۔ آج سے عرصے بعد ہم دونوں کی یوں اپناک ملاقات  
 ہمارے لیے خوشی کا باعث تھی، لیکن افضل کی تکلیف نے اس  
 خوشی کو پیچھا کر دیا تھا۔ کلنگ پر مریضوں کا هجوم تھا، لیکن میری  
 سفارش پر ڈاکٹر نے افضل کو ترجیح دی۔ اس کا بلڈ پریشر چیک  
 کیا۔ پھر ضروری ٹیسٹ لے۔ ایک گھنٹے کے بعد ہمیں نتیجہ مل  
 گیا۔ افضل پر لحاظ سے شدید سست تھا۔ پھر اس کے سر کا درد  
 کبھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ اس سبب سے ڈاکٹر نے زیادہ گھبرایا  
 دیا تھا۔ ڈاکٹر نے افضل کو چند ادویات تجویز کر دی تھیں۔ میں  
 جانتا تھا کہ ان ادویات میں دماغ اور سکون اور نیند  
 لانے والے اجزاء شامل ہیں۔ یہ سب وقتی علاج تھا۔ بیماری اپنی  
 جگہ پر موجود تھی۔

”تھیں پرو روکپ سے ہے آ“ میں نے افضل سے پوچھا۔

”اب تو یہ بھی نہیں رہا کہ کب سے درد ہے۔ فاکٹروں  
نے درد کش ادویات دے دے کر میری حالت مزید خراب کر  
دی ہے، اب تو میں کچھ کوری سوچ رہا ہوں۔“

درد۔۔۔۔۔ یہ درد۔۔۔۔۔ یہ درد مجھے پہنچے نہیں دے گا۔۔۔۔۔" تب افضل قتلہ وہ کبھی اپنی کئی بچوں کو مسلاتا تھا اور کبھی گردن کے پھٹوں کو دہاتا تھا۔ درد کی شدت اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ اور مجھے اس کی حالت پر تکلیف ہو رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کاش میرے پاس کوئی دوا ہوتی اور میں یہ دوا اپنے اس دوست کو دے دیتا اور اسے اس درد سے نجات مل جاتی، لیکن میرے پاس ایسی کوئی دوا موجود نہیں تھی۔ اور اگر ہوتی بھی تو میں افضل کو یہ دوا دینے کے قابل نہیں تھا۔ کیوں کہ میں ڈاکٹر نہیں تھا۔ ہاں اس شعبے سے میری وابستگی ضرور تھی۔ میں ادویات بنانے والی ایک کمپنی میں ملازم تھا۔ کمپنی جو ادویات بناتی تھی میں ان کی تشہیر کے لیے شہر، شہر، گاؤں، گاؤں ڈاکٹروں کے پاس ان کے کلینکوں میں جاتا تھا۔ ابتدائی طور پر ادویات کی فراہمی ملت ہوتی تھی۔ اس لالچ میں ڈاکٹر حضرات ہماری کمپنی کی ادویات اپنے مریضوں کو تجویز کرتے تھے۔ افضل سے میری ملاقات ایک ڈاکٹر کے کلینک پر ہوئی تھی۔ ہم تقریباً دس سال کے بعد مل رہے تھے۔ میں نے افضل کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ آخر ہم بچپن کے دوست جو تھے۔ ہم ایک ساتھ اسکول جاتے تھے۔ میں جب افضل کو لینے اس کے گھر جاتا تھا تو اس کی امی زبردستی افضل کے ساتھ مجھے دوبارہ ملاشتہ



تین بیٹیوں کی پرورش کی تھی۔ اور اب افضل کہہ رہا تھا کہ میں  
ہمارے ساتھ نہیں رہتی۔

”بھلا سب چلتے ہیں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“

میں اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ افضل بول چال میں  
خاصوٹی سے اس کے ساتھ چل چلا میرے پاس کنبھنی کی  
طرف سے ملی موز ہائیک تھی۔ افضل میرے پیچھے بیٹھ گیا اور  
پھر میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے لگا۔ شہر سے نکلنے ہی  
سر سبز کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈولتے ہمیں ایک درخت  
پر سبز رنگ کا ایک جھنڈا لہرا رہا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ بابا جی کا  
آستان تھا۔ بابا ایک درخت کے نیچے آسن بجائے بیٹھا تھا اس  
کی قوم ضرورت سے زیادہ باہر نکل ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی بابا  
نے ایک لغو بلند کیا۔

”آپچہ۔۔۔ آ۔۔۔ اور تم۔۔۔ تم دور چلی جاؤ۔۔۔ ورنہ میں  
تمہیں جلا کر خاک کر دوں گا۔“

افضل نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ شاید وہ بابا  
کے لپکے سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔

”بابا جی! آپ کس کو جانے کی بات کر رہے ہیں؟“ میں  
نے پوچھا۔

”مجھے میں نے اس آدمی کے تعاقب میں چند چالیس دیکھی  
ہیں۔ میں اسی پڑیلوں کو دھتکار رہا تھا۔ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔“

اب تم محفوظ ہو۔۔۔ ”پھر ہم بابا کے پاس چٹائی پر بیٹھ گئے۔“

”بابا جی! آپ تو آنکھوں والے ہیں۔ میرا درد دور کر  
دیجئے۔ اس درد نے میری جان سب میں ڈال رکھی ہے۔“  
افضل نے اپنا ڈکھ بیان کیا۔

”ہم سب جانتے ہیں بچہ۔۔۔ سائے تمہارا تعاقب کر  
رہے ہیں۔ ہم ٹھل کریں گے۔ حصار کھینچی کو سات دنوں تک  
ہم وغیرہ پڑھیں گے تو پھر تمہاری زندگی کے سارے دور کا آغاز  
ہو گا۔ غم کے ہلال چھٹ جائیں گے، نئی صبح طلوع ہو گی اور  
پھر روشنی ہو گی۔“

”بابا جی! ایسا ہو گیا تو میں آپ کو اپنا ہر مان لوں گا۔ اپنا  
مرشد بنالوں گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔ کیا سوچ رہے ہو؟“ میں چونک چلا۔

”میرے کسی دشمن نے مجھ پر کان چاڑھ کر دیا ہے۔ چاہو  
جب سر پر اثر ہوتا ہے تو سب ہی درد ہوتا ہے۔“

اس کی بات سن کر میری فہمی چھوٹ گئی۔ لیکن پھر میں فوراً  
سے خبردار ہو گیا۔

”یہ حقائق نہیں ہے۔ شہر سے باہر ویرانے میں ایک بابا جی  
رہتے ہیں۔ ان کے ایک دوست نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بابا جی  
بہت کرمات رکھتے ہیں۔ وہ کرم چڑھ کر ایک پھونک مارنی گے  
تو درد رفع ہو جائے گا۔“ افضل کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

”تو پھر کب جا رہے ہو بابا؟“ میں نے پوچھا۔

”کل جاؤں گا۔۔۔“

تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلاں گا۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“ افضل فوراً ہی مان گیا۔

”میں کل ٹھیک تین بجے تمہارے گھر آ جاؤں گا۔ پھر بابا  
جی کی کرمات بھی دیکھ لیں گے۔“

پھر میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب ہم اس گھر میں نہیں رہتے۔ اب ملت روڈ پر ہمارا  
گھر ہے۔“ پھر افضل نے مجھے اپنے گھر کا پتا سمجھا دیا۔

اگلے دن ٹھیک وقت پر میں افضل کے گھر کے سامنے کھڑا

تھا۔ یہ ایک منزلہ سا مکان تھا۔ جو ملت روڈ سے قدرے

بہت کر واقع تھا افضل مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور گھر کے

اندر آنے کی دعوت دی۔ میں اس کی ای کے لیے تھا لے کر

آ رہا تھا لیکن ای تو گھر میں موجود نہیں تھی۔ افضل کے بچے

گھر کے کچن میں کھیل رہے تھے، اور اس کی بیوی باورچی خانے

میں کام کر رہی تھی۔

”ای کہاں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”ای ہمارے ساتھ نہیں رہتی۔۔۔“

افضل کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا تھا۔ میں پہلے حیران ہوا

پھر پریشان ہو گیا۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ افضل کے ابو اس

کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ افضل کی ای کو کپڑوں کی

سلائی کا ہر آلتھا انہوں نے بڑی محنت سے اپنے ایک بیٹے اور



درو دیوار میرے آٹھا تھے۔ اور میں چلا جا رہا تھا اس کی گھڑی طرف جہاں رہنے والوں سے میری شناسائی تھی۔ جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔ جہاں میرے دوست کی ماں رہتی تھیں۔ میرے دوست کی بہنیں رہتی تھیں۔ وہ میری بھی ماں تھیں۔ وہ میری بھی بہنیں تھیں۔ اور اب دیکھتا یہ تھا کہ ان کی آنکھوں میں بھی میرے لیے شناسائی کی چمک موجود ہے یا نہیں۔

اور پھر میں اپنی ماں کے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس گھر کے درو دیوار پہلے سے زیادہ بوسیدہ ہو چکے تھے۔ مجھے گھر کے اندر زندگی کی گہما گہمی محسوس ہو رہی تھی، لیکن میں دروازے پر دستک دینے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ دس سال کے عرصے میں شاید وہ لوگ مجھے بھول گئے ہوں۔ شاید میرا چہرہ تبدیل ہو گیا ہو۔ اگر میری ماں مجھے شناخت نہیں کر پائے گی تو مجھے کتنا دکھ ہو گا۔ عجیب و غریب سوالات نے مجھے اپنے گھرے میں لے لیا تھا۔ اور ان سوالات کا جواب صرف ایک دستک تھی۔ جو میں نے دروازے پر دے ڈالی تھی۔

"کون ہے؟" یہ میری ماں کی آواز تھی۔ اس آواز میں شکایت تھی۔ اور پھر دروازہ کھل گیا۔ سامنے میری ماں کھڑی تھیں۔ ان نے چند لمحوں تک اجنبیت سے میری طرف دیکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک آگئی۔

میرا بچا میرا اول۔۔۔

ماں مجھ سے بہت کر روئے گی۔ جانے کیوں وہ روئے جا رہی تھی۔ جانے کیوں میری آنکھوں کے کنارے بھی ہجیک گئے تھے۔

"اسی کون آیا ہے۔ کیا یہی افضل آئے ہیں؟" اندر سے بہنیں آواز لگا رہی تھیں

"ہولی جیٹا آیا ہے، افضل آئے یا اول آئے، بات ایک ہی ہے۔۔۔" ماں مجھے بازو سے پکڑ کر گھر میں لے گئی۔ صحن میں تین لڑکیاں کڑھائی کا کام کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے چادروں سے اپنے سر ڈھانپ لیے۔ جب میں بچپن میں اس گھر میں آتا تھا تو مجھے راحت ملتی تھی، سکون ملتا تھا لیکن اس گھر کے حالات دیکھ کر اب میرے دل پر بوجھ بڑھنے لگا تھا۔ شاید

بابا نے افضل کے سامنے جو ذیلی تصویر کھینچی تھی۔ اسے دیکھ کر افضل خوش ہو گیا تھا۔ افضل کی بات سن کر بابا ہنس پڑا۔ اور پھر اس نے اپنے عمل کا آغاز کیا۔ اس نے آگ میں سے گرم راکھ کی ایک چٹکی بھری اور اس راکھ کو افضل کی بیٹھائی پر مل دیا تھا۔ افضل کی کن پٹیوں کو اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور ایک انگلی کی مدد سے پکڑ لیا اب وہ کچھ پڑھ رہا تھا اور میں خاموش بیٹھا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ ذرا میں دو قسم کے علم ہوتے ہیں۔ ہائی ان علوم کی شناختیں ہیں۔ ایک علم فوری ہے۔ دوسرا علم ہماری ہے۔ فوری علم سے مراد وہ علم ہے جو خدا نے انسان کو دیا ہے۔ اسی علم کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ اور ہماری علم سے مراد آگ کا علم یعنی شیطان کا علم ہے۔ اس علم سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں ناچانک خواہشات نے گھر کر رکھا ہو۔ اس وقت وہ بابا بھی کالا علم پڑھ رہا تھا۔ اور میرا دم گھٹ رہا تھا۔ افضل کہتا تھا کہ مجھ پر کسی نے کالا جادو کر دیا ہے۔ پھر میں وہاں سے اٹھ کر ذرا اپنی سونر ہانچک کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ میں دیکھ رہا تھا عمل قسم ہونے کے بعد افضل نے بابا کو پانچ سو روپیہ دیا تھا۔ بابا کسی بات پر تھکرا کر رہا تھا۔ پھر افضل میرے پاس لوٹ آیا۔ اس کی بیٹھائی پر ابھی تک راکھ لگی ہوئی تھی۔

"بابا کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سات دن کے عمل کا مجھ سے پانچ ہزار روپیہ مانگ رہا ہے۔"

"تو پھر تم نے کیا سوچا؟" میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

"دے دوں گا، اگر بابا کے عمل سے مجھے خوشی ملتی ہیں تو مجھے اور کیا چاہیے۔۔۔" افضل کی بات سن کر مجھے خطر آگیا۔

"کیا تمہارے سر کا درد ٹھیک ہوا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ ابھی تو نہیں۔۔۔" افضل بولا۔

پھر صبر ادا نہیں کا سفر شروع ہوا۔ افضل کو میں نے اس کے گھر کے سامنے اسیر دیا، لیکن میرا سفر ابھی باقی تھا۔ دس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا، جب میں اس شہر سے رخصت ہوا تھا، لیکن یہ شہر میرے لیے اب بھی نہیں تھا۔ میں اس شہر کی گلیوں اور بازاروں سے ابھی طرح واقف تھا۔ اہل شہر کے



شکست بعد ماں کو کوئی اپنا مل تھا۔ اور اب اس کے دل میں موجود تمام دکھ اور درد ایک سیلاب کی صورت میں بہہ نکلے تھے۔ لمبائی شدت زیادہ بڑھی تو ماں کو پکڑ آگیا۔ ایک لمبائی میں ان کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ پھر ان کے حواس معطل ہو گئے۔ میرے اپنے ہاتھ پر پھول گئے تھے۔ تینوں ہاتھوں رو رہی تھیں۔ پیچ رہی تھیں۔ میں نے فوراً اپنا موبائل فون سنبھال لیا۔ لیمک پندرہ منٹ کے بعد آہٹچی تھی۔ پھر لیمک لیمک ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔ دہریہ محسوس میں فوراً ابتدائی طبی امداد کا عمل شروع ہو رہا تھا۔ اور میں ہسپتال میں داخل ہو کر دیا گیا۔ اب میں خود کو کوس رہا تھا۔ شاید مجھے دیکھ کر ماں کے اضطراب کا عالم مزید بڑھ گیا تھا۔ اور یوں جلد پر پتھر کی مٹری نے دل کے ساتھ ساتھ گردوں کے نظام کو بھی متاثر کیا تھا۔ وہ رات میں تے ہسپتال میں گزاری۔ ماں کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔ اور میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں افضل کو ماں کی حالت کی اطلاع دوں۔ میں ساری کہانی سے آگاہ ہو چکا تھا۔ افضل ایک نانا کی بیوی تھا۔ وہ مشکل میں اپنی ماں کو بے سہارا چھوڑ گیا تھا اور آج اس نے کی یاد لے لی کو موت کی سرحد پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایک قدم اور زندگی اور ایک قدم اور موت تھی۔ پھر میں ماں کے پاس واپس میں چلا آیا۔ وہ غنودگی کی حالت میں تھیں۔ میں نے ان کی پریشانی پر ہاتھ رکھا۔

”افضل بیٹا! موت آکر۔۔۔“ ماں نے کراہتے ہوئے مشکل سے کہا۔ اب میرا رکنا مشکل تھا۔ میں نے اپنی موٹر ہائیک سنبھالی اور افضل کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میں افضل کے گھر پہنچا مچ کے آٹھ بج رہے تھے۔ دھنگ کے جواب میں ہانگی منٹ کے بعد افضل گھر سے باہر نکلا اس نے ایک کپڑے سے اپنا سر باندھ رکھا تھا۔

”کیا پھر سے درد ہو رہا ہے؟“ میں نے اپنے بھائی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں میں ساری رات سو نہیں سکا۔۔۔ یہ درد تو میری جان لے کر چھوڑے گا۔۔۔“

”میں تمہارے درد کا علاج اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ افضل حیران رہ گیا۔

”مجھے کل شام ایک مرشد ملا ہے۔ بہت کرات والا مرشد ہے۔“

”مجھے فوراً ان کے پاس لے چلو۔۔۔“ افضل بے چین ہو گیا۔

”اسی لیے تو آیا ہوں، پلو میرے ساتھ۔۔۔“

”یہ مرشد کہاں رہتا ہے؟“

”ایک ٹولے ہوئے گھر میں رہتا ہے۔۔۔“

”کیا اس کے ہاتھ سے مجھے شفا ملے گی؟“

”اسی کے ہاتھ میں تو شفا ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“

افضل واقعی کچھ سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ اور پھر اس کی حیرت میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا۔ جب ہم ہسپتال کے سامنے پہنچے۔

”یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟“

”اس مرشد کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ لیکن تم فرحت کرو۔ تمہیں شفا ملے گی۔۔۔“ میرا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ افضل مطمئن ہو گیا۔ ہم رولہ دریاں عبور کرتے ہوئے دل وادرا کے سامنے پہنچ گئے، لیکن جیسے ہی ہم وادرا میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے مجھے خبر لیا۔

”جناب آپ کے مریض کی حالت خراب ہے۔ یہاں ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا۔ بہتر ہو گا کہ آپ اپنے مریض کو ڈاکٹر کے شہر دل کے ہسپتال میں لے جائیں۔“

”آپ کی بہت مہربانی۔ میں انتظام کرتا ہوں۔۔۔“ میں نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔

”مرشد کہاں ہے؟“ افضل میرے مریض سے لا تعلق نظر آرہا تھا۔

”آؤ! میرے ساتھ۔۔۔“ میں افضل کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھا اور پھر اسے ماں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ماں کو مصنوعی سانس دیا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ ایک لمبائی میں افضل کا چہرہ بچاؤ کیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا





”ہاں... وقت بہت کم ہے۔“ افضل اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ہم دوا سے باہر نکل آئے۔ افضل نے اپنے سر پر بندھے کپڑے کو کھول دیا تھا۔

”کیوں کیا ہو؟ درد ختم ہو گیا ہے کیا؟“ میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

”خیر ہے یار۔۔۔ میرا درد بغیر کسی دوا کے اچانک ہی جاتا رہا ہے۔“ میں مسکراتے لگا۔ میں جانتا تھا افضل کا مرض جسمانی نہیں نفسیاتی تھا۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اپنے اس فعل کا سماں اسے ملنے نہیں لینے دیتا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں اس کا اسباب علاج کیا تھا۔ پھر میں ہنستے ہوئے بولا۔

”جی کون۔۔۔؟“

”جو درد مٹائے۔“ افضل بھی ہنس پڑا اور میں نے ایک مسرت بھرا منظر دیکھا۔ افضل کی آنکھیں کچھیں رونا دہری میں دوڑتی آرہی تھیں۔ وہ اپنے بھائی سے لپٹ گئی تھیں۔ آخر ایک عرصے بعد انہیں اپنا بھائی ملا تھا۔ اور آنسوؤں کا کیا ہے خوشی ہو یا غم یہ آنکھوں میں اپنی جگہ بھری لیتے ہیں۔

☆☆☆

تھا کہ اس کی ماں اسے اس حالت میں ملے گی، افضل کو سب آگئی تھی کہ یہ زندگی اور موت کی سرحد ہے۔ قریب تھا کہ افضل لو کھڑا جائے لیکن اس نے اس چٹ کا سہارا لے لیا جس پر اس کی ماں لیٹی ہوئی تھی۔ اب اسے اپنے افعال یاد آرہے تھے۔ ماں کی محبت کتنی بے لوث تھی۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا۔ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جو پارے کی مانند اس کے خون میں دوڑا اور پھر اس کی آنکھیں بھری گئیں۔ آنسوؤں کے چند قطرے اس کی ماں کے قدموں پر گر پڑے۔ اپنے خون میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ ماں نے دیکھا۔ افضل اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ گھبراتے ہوئے بولیں:

”جنا افضل! آگے ہو۔۔۔ اچھا کیا۔۔۔“ پھر انہوں نے آنکھیں موند لیں۔ افضل نے ماں کے قدم بکرا لیے پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے دل کا سارا غم آنسوؤں کے راستے نکل گیا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”اٹھو! ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہمیں ماں کو دل دالے ہسپتال لے کر جانا ہے۔“





نوشاد عادل

انہیں واقعی مسخرہ بھلاو اور کی ملاں کچھ رہے تھے۔ وہ فن کار  
صحیح گیارہ بیٹے سے یہاں موجود تھے اور آنے والے بچوں کی  
توجہ اپنی حرکات سے اپنی جانب مبذول کر رہے تھے۔ کبھی وہ  
اچھلتے گھومتے، کبھی تالیاں بجاتے اور کبھی رقص کر کے بچوں کو  
اپنی جانب راغب کرتے تھے۔

پھر مسخرہ وہاں سے نکل کر ایک طرف ہل پڑا۔ چلتے چلتے  
وہ اس طرف آگیا، جہاں دواں دواں رہتے ہوئے تھے۔ وہ ایک  
بڑی سی دیوار کے پاس آکر رک گیا۔ ایک طرف قد آدم آئینہ  
دیوار میں لگا ہوا تھا۔ اس میں خود کو سر سے پاؤں تک دیکھا جا  
سکتا تھا۔

مسخرہ آئینے کے مقابل کھڑا ہو گیا اور پھر خود کو دیکھنے  
لگا۔ لہجے کے اندر موجود لڑکے کو آئینے میں ایک مسخرہ  
دکھائی دے رہا تھا، جس نے رنگین اور بے رنگ سے کپڑے  
زیب تن کیے ہوئے تھے۔ جس کے ہاتھ بڑے بڑے سنہری بال گولائی  
میں بنے ہوئے تھے۔ سفید چہرے پر پگھلائی ہوئی سرخ رنگ  
نے وہی سی کسر چڑی کر دی تھی۔ وہ بت بنا آئینے میں خود کو  
بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسے یوں لگا کہ سامنے کھڑا مسخرہ  
اُسے دیکھ کر ہنس رہا ہے۔ قہقہے لگا رہا ہے۔ قہقہے لگاتے ہوئے

بہت سے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اُسے گھرا ہوا تھا۔  
کوئی اُسے چھوٹے کی کوشش کر رہا تھا اور کوئی ہاتھ مل رہا تھا۔  
کوئی بچہ اُسے دیکھ کر ہی خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی بچوں سے خوب  
کھل مل گیا تھا۔ اس کا کام ہی بچوں کو بھلاو اور اُن کا دل بھلا  
تھا۔ وہ ایک مسخرہ تھا۔

انکھو سیلر میں بین الاقوامی کتب میلہ لگا ہوا تھا۔ وہاں  
بے شمار پہلی شرز اور رسا کی دالوں نے اپنے اپنے اسٹال لگا رکھے  
تھے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد کتب میلے میں آرہی تھی اور وہ  
ان کتابوں میں خوب دل چسپی لے رہی تھی۔ ہر عمر کے فرد کی  
دل چسپی کی کتابیں وہاں موجود تھیں۔ وہاں آنے والے لوگوں  
کے ساتھ اُن کے چھوٹے بچے بھی تھے۔ جن کی توجہ اپنی  
جانب مبذول کرنے کے لیے بعض بڑے اسٹال دالوں نے اُن  
کی دل بھگتی کا سامان کیا ہوا تھا۔

ایک بڑے رسالے کے اسٹال پر مسخرے کا لہجہ پہنے ایک  
لڑکا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک بڑا سا کی ماؤں اور ایک بھلاو کے  
روپ میں فن کار بچوں کو قہر خا فراہم کر رہے تھے۔

بڑی عمر کے افراد تو جانتے تھے کہ ان کے اندر انسان ہیں،  
جنہوں نے بھی بدل رکھا ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے بچے



میں دو تین افراد اور بھی کھڑے تھے۔ اسے افراد کو دیکھ کر شارق گھبرا سا گیا۔

”کی۔۔۔ کی۔۔۔ کیا کام ہے؟“

”جلدی چلو ہمارے ساتھ۔۔۔ تمہارے ابو کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں۔“

خورشید صاحب نے بوکھڑے ہوئے لہجے میں بتایا تو شارق کا بدن خطرہ اچ گیا۔

”گگ۔۔۔ گگ۔۔۔ کیا ابو کا ایکسی ڈنٹ ۲۲ ٹونے پھولے اتفاقاً اس کے منہ سے نکلے۔“

”ہاں جلدی چلو، ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ خورشید صاحب نے جیڑی سے کہا۔

شارق نے کسی حد تک خود کو سنبھالا۔ اگر انی کو پتا چلا تو ان کی حالت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ وہ تو پہلے ہی بیمار ہیں۔ شارق نے لہجہ بھر سوچ کر فیصلہ کیا کہ وہ انی اور اپنی بہن سہدیہ کو فی الحال نہیں بتائے گا کہ ابو کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا ہے۔

”میں ابھی آتا ہوں۔“

”شارق واپس چلا اور انی کے کمرے میں آ کر بولا: ”سہدیہ! تم انی کے پاس ہی رہنا۔ میں ذرا ایک کام سے جا رہا ہوں۔ دروازے کی کڑی لگا لو۔“

”کہاں جا رہے ہو بھائی؟“ سہدیہ نے استفسار کیا۔

”آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔“ شارق اٹھا کہہ کر باہر نکل آیا

اور خورشید صاحب کے ساتھ اسپتال کی جانب چل پڑا۔

سڑک پر آ کر خورشید صاحب نے رکشہ روکا اور پھر وہ اس

میں بیٹھ کر اسپتال روانہ ہو گئے۔ راستے میں خورشید صاحب نے

بتایا کہ اس کے ابو یعنی شہزاد صاحب سڑک کے کنارے چل

رہے تھے کہ عتب سے آنے والی ایک بے گار کار ان سے آ

کرائی تھی۔ وہ اچھل کر کئی فٹ زور جا گرے اور لڑھکتے چلے

گئے۔ اتفاق سے دیکھنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھے۔ لہذا وہ

شہزاد صاحب کو اسپتال لے گئے، تاکہ انہیں بروقت طبی امداد

دی جاسکے۔ شارق کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ دل میں

سکڑے کی شکل دیکھ کر اس کو وہ سحر و پاؤ آگیا جس کو اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر خوب لگا دیا تھا۔ دو سال قبل وہ اپنے اسکول کے ساتھ صنعتی لائسنس میں گیا تھا وہاں ایک سحر و پاؤ بچوں کا دل بہلا رہا تھا وہاں سب دوستوں نے اسے خوب لگا دیا تھا۔

”مجھے لگا مت کرو، میں مجبوراً یہ کام کر رہا ہوں، لہذا کا خوف کرو۔“ سکڑے نے شارق کے قریب آ کر کہا تھا۔ شارق نے اس کی باتوں پر اسے نہیں دھڑکے تھے اور براہ آسے مختلف طریقوں سے لگا کرنے میں معروف رہا۔ شارق آپنے کے سامنے کھڑا گہری سوچ میں آ گیا تھا کہ اس نے آپنے میں اپنے پیچھے ایک آدمی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا۔

”تم یہاں کھڑے ہو؟“ آنے والے شخص نے درشت لہجے میں کہا۔

سکڑے نے جیڑی سے پلٹ کر عقب میں دیکھا۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میں۔۔۔ سکڑے نے ہلکے آواز سے وضاحت کرنی چاہی۔

”تم فوراً اسٹال پر پہنچو، ہم نے تمہیں اس لیے نہیں دکھا ہے کہ تم ذیوبنی دینے کے بجائے ازحر اور حر گھوسو۔ میں تمہیں اس کام کے پیسے دیتا ہوں، جلدی اسٹال پر چلو، وقت ضائع مت کرو۔“

سکڑے نے خاموشی سے سر ہٹایا اور واپس اسٹال کی طرف چل پڑا۔

دروازے پر زور دار دھک ہوئی۔ شارق کمرے میں پڑھنے

میں معروف تھا۔ دھک سن کر وہ چونک گیا۔ براہ واسے کمرے

میں اس کی بہن سہدیہ اپنی ماں کو دوا پلا رہی تھی۔ شارق کے

انہنے سے پہلے ایک بار پھر دروازہ زور سے کھٹکھٹایا گیا۔ لگتا تھا کہ

آنے والا بہت جلدت میں ہے۔ شارق جیڑی سے اپنے کمرے

سے نکلا اور مگن سے گزر کر دروازے تک پہنچا۔ دروازہ کھولا تو

سامنے ایک بھلے دار خورشید صاحب کو کھڑا پایا۔ فن کے عقب



محبوب محراب دوست سے سر اٹھا رہے تھے۔

ہسپتال پہنچنے کے بعد ہی پوری صورت حال اس پر واضح ہوئی۔ شادی کے خدشات نے حقیقت کا روپ دھار لیا تھا۔ اس کے ابو زندگی اور موت کی کش مکش میں جکڑا تھا۔ بس درمیان میں ایک کچا دھکا باقی تھا جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا تھا۔ ڈاکٹرز اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔ شادی بے جاں سا ہو کر آپریشن تھیم کے سامنے فرش پر ہی جڑ پھینا کر بیٹھ گیا تھا۔ سب لوگ شادی کی کھلیاں دے رہے تھے۔ پھر شہزاد صاحب زندگی کی بازی ہار گئے۔

وہ شادی کو ایسا لگا تھا کہ وہ تاحد نگاہ پھیلے ہوئے صحرا میں نکلے پاؤں تھقی ریت پر آکھڑا ہو اور اس کے سر پر پھیلا ہوا سا تاجان لپٹا ہوا ہٹ گیا ہو۔ گھر کی ذمہ داریاں ایک لخت اس کے کندھوں پر آ پڑی تھیں۔ اب گھر میں چاروں اور بہن کا گھر ان ہی تھا۔ ابو کے ہونے سے شادی کو کمانے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ضرور تھا۔ وہ اپنے والدین کی پریشانیاں سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ بڑی محنت سے تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ اچھی سی نوکری حاصل کرے اور یوں وہ اپنے والدین کی ہر خواہش کو پورا کر سکے۔ لیکن شہزاد صاحب کی ناگہانی موت کے باعث اس کے ہمارے خواب ایک چمٹا کے سے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

اس کی ای نے نرے وقت کے لیے کچھ رقم جمع کر رکھی تھی، جو اس مشکل میں کام آوری تھی۔ کچھ عرصہ اس کھنی کی جانب سے مل گیا۔ لیکن شہزاد صاحب ملازمت کیا کرتے تھے، لیکن شادی جانا تھا کہ یہ پیسہ زیادہ عرصے نہیں چل سکیں گے۔ اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ اس نے اپنی تعلیم کا سلسلہ موقوف کیا اور ملازمت تلاش کرنے لگا۔ سب سے پہلے اسی نے اسی کھنی میں جہاں اس کے والد ملازمت کرتے تھے۔ ملازمت کے لیے درخواست دی۔

”مشکل ہے۔“ منظر نے لٹی میں سر ہلایا۔ ”تمہارے والد ایک تجربہ کار آدمی تھے اور تمہیں تو کسی بھی قسم کی ملازمت کا

تجربہ نہیں ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں کسی نہ کسی چھوٹی موٹی جگہ فٹ کر ادھر مگر اب کھنی کے حالات بھی ایسے نہیں ہیں۔ کئی سو افراد کو لگا ہوا چکا ہے۔ اب اگر کوئی چوکی دار بھی رکھنا چاہتا ہے تو ہر دو راست مالک اس کے آرڈر جاری کرتا ہے۔“

”آپ نے مالک سے بات کی؟“ شادی بے غور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہاں، میں بات کر چکا ہوں۔ شہزاد صاحب سے میری بہت اچھی دوستی تھی۔ میرے ہی کہنے پر مالک نے تمہارے گھر پیسے بھجوائے تھے۔ تب میں نے یہ بات بھی کی تھی پیسے دینے کے بجائے تمہیں ملازم رکھا جائے، لیکن مالک نے انکار کر دیا تھا۔“

منظر کی باتیں سن کر شادی نے باج سناہ انداز میں سر جھکا لیا۔ اس کے بعد اس نے دوسری جگہوں پر ملازمت کی کوشش شروع کی تو اسے دایوں سے پیسہ آگیا۔

وہ ملازمت کے لیے ایک سے دوسری جگہ گھومتا رہا، مگر ہر جگہ ناکامی اس کا مقدر ٹھہری۔ جس کوئی میں وہ ڈول ڈالتا تھا وہ کنوں تنگ ملا تھا۔ اسے چاروں طرف سے باج سی اور نا افسردگی کے بدل دیکھائی دیتے۔ والد کی حالت پہلے تو بہتر ہو رہی تھی، لیکن شہزاد صاحب کی اچانک موت نے انہیں دوبارہ لاغر کر دیا تھا اور دم توڑتی ہوئی بیماریاں ایک بار پھر پوری توانائیوں کے ساتھ ابھر آئی تھیں۔

خورشید صاحب کی بھانجی کے نتیجے میں شادی کو ایک جگہ نوکری مل گئی۔ وہ ایک کیرم بورڈ کی بڑی سی دکان تھی۔ روز کے سو روپوں کے معاوضے پر شادی وہاں کام کرنے لگا۔ عام حالات میں وہ یہاں ملازمت کرنا تو ذرا کی بات وہاں سے گزرتا بھی پسند نہ کرتا تھا، لیکن نرے حالات کا شکار ہو کر وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ صبح شادی دکان کھولا، جھڑا لگا اور سناائی کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ جاتا تھا۔ صبح بہت سے ایسے بچے آ جاتے، جو گھر سے تو اسکول جانے کے لیے نکلتے تھے، مگر اسکول



پھر جب تک نقصان کے پیسے نہیں ہوئے، شارق وہاں آتا رہا۔ اس کے بعد اس نے دکان کی چابیاں مالک کے حوالے کر دیں۔

"اے تم تو عجیبہ ہی ہو گئے ہو، اب جسے شوک دو۔"

مالک نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر شارق تو ٹھان چکا تھا کہ اب وہ کسی صورت یہاں کام نہیں کرے گا۔ گھبرا آئے کے بعد اس نے ماں کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا، مگر سعدیہ نے اس کی شکل دیکھ کر اکیلے میں پوچھا:

"کیا ہوا بھائی! چپ چپ سے کیوں ہوا؟"

"کچھ نہیں ایسے ہی تھکن ہو رہی ہے۔" شارق نے کالا چاد

"تھکن تو روز ہی ہوتی ہے، مگر روز تو چپ چپ ٹھکن ہوتے۔" سعدیہ نے بھانپ لیا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔

پہلے تو شارق نے اسے بلانا چاہا، لیکن پھر اس کی ضد کے آگے اسے ہتھیار اٹھانے پڑے۔

سعدیہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہی تھی پھر اس نے کہا:

"بھو بھائی! اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہی ہو گی۔ ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہیں جلد ہی کوئی ملازمت مل جائے گی۔"

"کھنڈ کرے ایسا ہی ہو ورنہ مشکل ہو جائے گی۔" شارق نے کہا۔

سعدیہ کا کہنا درست ثابت ہوا تھا۔ ایک ڈور کے جاننے والے نے شارق کو بتایا کہ اس کے ایک دوست کو لڑکوں کی ضرورت ہے۔ معقول ملازمت ہے اور پیسے بھی بہتر مل جائیں گے۔ ملازمت کی نوعیت کا اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے اپنے دوست کا چا گھ کر دے دیا۔

شارق نے سوچا کہ اگلے روز وہ اس جگہ جا کر ملازمت کی کوشش کرے گا، مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اگلے روز وہ نہ جاسکا۔ صبح سے ہی اس کی اہی کی حالت بگڑنے لگی تھی۔ دوا ختم ہو گئی تھی۔ اس کے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

سے بھاگ کر یہاں آ جاتے تھے۔ سارا دن وہاں کالم گھونک کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا کہ جب کیرم پورا کھیلنے والوں کے درمیان جھگڑا نہ ہوتا تھا۔ شارق خود کو ان جھگڑوں سے محروم رکھتا تھا۔ کئی بار تو اس کا دل چاہتا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ اس ماحول میں اس کا دم گھٹتا تھا، مگر جب چار ماں اور اپنی بہن کو خیال آتا تو وہ خود کو ایسا کرنے سے باز رکھتا تھا۔

بہت مشکلوں سے وہ میٹھے گزرے تھے۔ اس دوران شارق نے کئی نئے جلتے والوں سے کسی بہتر ملازمت کے لیے کہا تھا، لیکن سبھی کوئی بات نہیں بنی تھی۔ اس لیے وہ اس جگہ نوکری کرنے پر مجبور تھا۔

ایک شام کیرم پورا کھیلتے ہوئے چار لڑکوں میں جھگڑا ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے پر بے ایمانی کا الزام لگا رہے تھے۔ وہاں موجود باقی افراد نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ شارق بے بسی کے عالم میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ نوبت ہاتھ پائی تک جا پہنچی۔ انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ کر ڈالی تھی۔ وہ لوگ تو بھگڑ کر چلے گئے، لیکن دکان چہ ویرہہ کر گئے۔ دکان کے مالک کو کسی نے خبر دی تو وہ چلا آیا۔ اس نے دکان کی حالت دیکھی تو وہ شارق پر چڑھ دوڑا۔

"تم نے انہیں روکا کیوں نہیں؟" اس نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا "تمہارا کام صرف یہ نہیں ہے کہ یہاں بیٹھے رہو آرام سے، یہاں ہر چیز کی حفاظت کرنا بھی تمہارا کام ہے۔"

"ہمم۔۔۔ مگر وہ تو بڑے لڑکے تھے۔" شارق کا صحنہ ٹٹک ہو رہا تھا۔

"تو وہ کون سا بڑا ڈالتے تم کو، اور اب یہ جو نقصان ہوا ہے یہ کیا تمہارے ابا جی آکر بھریں گے؟"

اس بات پر شارق فوراً بولا: "میری گھڑی میں سے نقصان پورا کر لینا، لیکن میرے باپ کا نام نہ لو۔"

"اچھا۔" مالک نے منہ جا کر کہا۔









محمد طارق سراج

# کفارہ

بیماری کا شکار ہو کر سزا سے قتل ہی نہ مر جائیں۔ اور قصدریق اس بات کی کہ جب مقررہ دن اور مقررہ وقت پر پھانسی پر لٹکا دیے جائیں تو انہیں اس وقت تک پھندے سے نہ اتارا جائے، جب تک وہ موت کی دوا میں نہ چلے جائیں۔ تو کیا خیال ہے ہوائے میں موت کا ڈاکٹر۔ امید ہے کہ اب آپ نے میرے لیے اپنا دل صاف کر لیا ہو گا۔ کیوں کہ میں مجرموں کو کیڑا کر دار تک پہنچانے والا موت کا ڈاکٹر ہوں۔

اپنی ملازمت کے دوران میں اب تک بیسیوں لوگوں کو اپنے سامنے پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ چکا ہوں۔ بڑے بڑے تئیں مار خان بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں بڑی بے رحمی سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ زندگی اور قلم کی محبت و غریب داستانیں رسم کی تھیں۔ مظلوم اور بے گناہ لوگوں کی جان لیتے ہوئے ایک کے لیے بھی ان کا ہاتھ نہیں لرزاتا تھا، لیکن اپنی موت کو سامنے دیکھ کر ان کی سلی گم ہو جاتی تھی۔ وہی موت جسے یہ ظالم درندے، انسانوں میں بے دریغ بانٹتے رہے تھے، اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وحشت زدہ ہو جاتے تھے۔ ان کی ناظمیں اپنا ہی بوجھ سہارنے کے قابل بھی نہیں رہتی تھیں اور عموماً انہیں بھیجے ہوئے پھانسی گھاٹ تک

میں موت کا ڈاکٹر ہوں۔ آپ مجرموں کو رہا نہیں کریں گے کہ بڑیوں کا ڈاکٹر، دل، دماغ، کان، ناک، گلے اور دستوں کا ڈاکٹر تو سنا تھا یہ موت کا ڈاکٹر کیا ہوا۔۔۔؟ اور ڈاکٹر کا کام تو زندہ کی جان بچانے کی کوشش کرنا، لوگوں کے دکھ درد دور کر کے ان کی راحت پہنچانا اور بیماروں کے لیے شفا کا وسیلہ بننا ہے تو پھر موت کا ڈاکٹر کہلانے کی کیا تکلفی ہے۔ ہو سکتا ہے میرا یہ اعتراف پڑھ کر بعض لوگوں کے دل میں میرے لیے نفرت اور حسد پیدا ہوا ہو۔ تو بھی ذرا قہقہے سے کام لیتے موت کا ڈاکٹر بننے میں میری اپنی خواہش اور ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میں تو حکم کا پابند ہوں۔ اور اپنے فرض سے مجبور ہوں۔ جیسے حضرت مزار انگلی علیہ السلام اب تک گردنوں اور لوگوں کی جان کے چکے ہیں، لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف سے اس کام پر مسموم ہیں اور حکم کے پابند ہیں۔ اسی طرح میں بھی حکومت پاکستان کے حکم کا پابند ہوں۔ میں ایک سینٹرل قتل میں تعینات ہوں۔ میرا کام عدالت سے موت کی سزا پانے والے قیدیوں کی نگرانی کرنا اور پھانسی کی سزا دیے جانے کے بعد ان کی موت کی تصدیق کرنا ہے۔ نگرانی اس لیے کہ وہ سزا پانے تک صحت مند رہیں، کسی



لانا پڑتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے بھی قیدی دیکھے ان میں احمد واحد شخص تھا جو خود اپنے قدموں پر چل کر پھانسی لگاٹ تک آیا تھا۔ ایسا صرف مہاجرین آزادی کے بارے میں سنا تھا کہ وہ جتنے مسکراتے، اپنے قدموں پر چلتے ہوئے فرنگیوں کی دانیوں پر چڑھ جاتے تھے۔

اس کا چہرہ بڑا سکون تھا۔ اس کے چہرے پر ڈرا بھی کچھ بہت کم آوار نہیں تھے۔ حالانکہ وہ سزائے موت کا اہل مجرم تھا۔ اس نے پہلی ہی ٹوٹی میں عدالت کے رویہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔

”کوئی آخری خواہش“ اور کا آخری معاہدہ کرنے کے بعد میں نے سوال کیا تو اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ”خواہش... انہی خواہشوں نے تو اس سال کو پہنچایا ہے۔“ اس کا جواب سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو احمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آج پہلی بار میں نے اس کی آواز سنی تھی ورنہ جب سے وہ نیل میں آیا تھا مسلسل خاموش تھا لیکن اب میرے سوال پر وہ خود کھائی کے انداز میں بولنا ہی چلا جا رہا ہے۔

تڑا... تڑا... تڑا...

”دور دور آواز کوئی اور میں... گیارہ سالہ احمد اپنے گال سہلانے لگا۔ بے در پے تھپڑوں نے میرے سرخ سرخ گالوں کو اور زیادہ لال کر دیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ایک لمحے سے دکھ کا احساس میرے گلے میں پھاڑیں بن کر چبھنے لگا۔ میرے والد غصے سے اٹھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”میں سارا دن ہڈیاں تڑا کر کتنی مشکل سے پیسے کمانا ہوں اور یہ لاٹ صاحب ہیں کہ ان کی فرمائشیں ہی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ روپے درختوں پر نہیں اُگتے۔ محنت سے کمانے پڑتے ہیں۔ جب تم خود کھاؤ گے تو پھر پتا چلے گا کہ روپیہ کمانا کس قدر مشکل کام ہے۔“

میں منہ بسور تا ہوا ہنسنے میں لکھ گیا۔ میرے حلق سے ہلکی

ہلکی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ میں ہائیڈر انداز میں سوچنے لگا: ”ابو کی آمداری ہر وقت نوٹوں کی گھڑیوں سے بھری رہتی ہے، لیکن میں جب بھی کوئی فرمائش کرتا ہوں وہ فرمائش پوری کرنا تو دور کی بات، النافق سے ڈانٹ کھانا پڑتی ہے۔ اپنے والد سے سنے جو توں کی فرمائش کرنا کیا گوارہ ہے؟ سب دوستوں نے سنے دکان کے تالیں شوز لیے ہیں اور مجھے ابھی تک وہی پرانے فیشن کے کیڑے شوز پہننا پڑتے ہیں۔ کاش میں خود کمانے والا ہوتا تو مجھے اپنی پھوٹی پھوٹی خواہشوں کے لیے ان کا حلق نہ ہونا پڑتا۔ اور پھر میں رقم حاصل کرنے کے طریقوں پر غور کرنے لگا۔ جلد ہی ایک طریقہ میرے سامنے آکر اہوں میں نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ ڈانٹ ڈھپ کوئی ایک دن کا قصہ نہیں تھا۔ آئے روز کا معمول تھا۔ جب بھی میں اپنے والد سے کوئی فرمائش کرتا مجھے اسی قسم کے رویے کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہوتا یہ چاہیے تھا کہ میرے والد مجھے پیار سے سمجھاتے کہ ہماری ضرورت اچھے اور مضبوط جوتے ہیں، نہت یا فیشن نہیں۔ فیشن تو آئے روز بدلتا رہتا ہے۔ آسانی خواہشوں کو محدود کر کے صبر و شکر کے ساتھ رہنے اور سادہ زندگی گزارنے میں ہے۔ انسان کی خواہشیں تو تکیوں کی مانند ہوتی ہیں۔ ایک پکڑو تو دوسری خواہش پہلے دلی سے زیادہ خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ دوسری پکڑو تو تیسری خواہش اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ کیوں کہ خواہش پوری ہوتے ہی اس کا مزہ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اور نیا آگلی خواہش پوری کرنے کے پتھر میں پھنسنے لگتی ہے اور میرے توں بات پر ہے کہ انسان ساری زندگی بھی ان خواہشوں کے پیچھے بھاگتا رہے تو یہ خواہشیں ختم ہونے کا ہم نہیں لگتیں۔ یقیناً اس لیے بزرگ کہتے ہیں کہ بیوقوف خوش رہنے کا بہترین اصول قناعت پسندی ہے۔ یعنی جو مل گیا اس پر شکر کرے اور جو نہیں ملا اس پر صبر کرے۔“

احمد اپنی ہی رو میں کہے چلا جا رہا تھا اور میں خاموشی کے ساتھ اس کی داستان سن رہا تھا۔ احمد کہہ رہا تھا:

”میں اگلے روز بیدار ہوا تو ہزار روپے کا ایک نوٹ میری



جیب میں تھا۔ جو میں نے آدمی رات کو ہی ابو کی الماری سے چرا لیا تھا۔ اسکول میں میرا سارا وقت بے چینی سے کٹا۔ میرا رشتہ اناتین شوز کی طرف تھا۔ چھٹی ہوئی تو گھر آیا، بیگ رکھ کر چھٹی جلدی کھانا کھایا اور سائیکل اٹھا کر باہر نکل گیا۔ میرا رشتہ توں کی دکان کی طرف تھا۔ چرائے ہوئے روپوں سے من پسند ہوتے خریدے اور فوراً ہی انہیں بکن کر دوستوں کی طرف نکل کر بیچ دیتا تھا۔ انہیں دیکھا کر دعب بھاسکوں کہ میرے پاس بھی ان جیسے جوتے ہیں۔ ابو کے آنے سے پہلے گھر واپس ضروری تھی اور چوری کر کے جانے کے دار سے نئے جوتوں کے ساتھ گھر بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس کا یہ حل نکالا کہ نئے جوتے ایک دوست کے پاس رکھوا دیے اور پرانے جوتے بکن کر گھر لوٹ آیا۔ اگلے چند دن خریدتے سے گزارے تو میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ اپنی خواہشیں پوری کرنے کے لیے رقم حاصل کرنے کی ترکیب بہ ظاہر کامیاب رہی تھی۔ اور یوں اچھی تربیت کی ذمہ داری سے غافل اور فحش مزاج دیکھنے والے والد کو خبر ہی نہ ہوئی کہ ان کا اکلوتا بیٹا کس راہ پر چل پڑا ہے۔

احمد یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ مجھے اس کی کہانی بڑی دل چسپ اور بے اسرار لگ رہی تھی۔ ایک ایسے آدمی سے جسے چند منٹوں بعد پھانسی پر چڑھا دیا جاتا تھا، کہانی سننا بڑا اٹو کھا تجربہ تھا۔ احمد دوبارہ گویا ہوا اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

"وقت کا پیہ اپنی مخصوص رفتار سے چل رہا اور کئی سال گزر گئے۔ اب میری عمر بائیس سال ہو چکی تھی۔ ہر خواہش پوری کرنے کی عادت نے مجھے اپنی ہی خواہشوں کا تمام بخا دیا تھا۔ میرے پاس خواہشوں کا اتھار تھا اور انہیں پورا کرنے کے لیے میرے پاس چوری چکاری کا راستہ تھا۔ والد کا ڈر بھی نہیں رہا تھا کیوں کہ دو سال پہلے والد کو کاروبار میں شدید نقصان ہوا تھا۔ اسی غم نے انہیں چار کر دیا، جمع ہوئی علاج پر لگ گئی اور گھر میں نو بہت فاقوں تک آن پہنچی اور کچھ ہی عرصہ بعد اسی بیماری کے باعث ان کا انتقال ہو گیا۔ کچھ حالات کا تقاضا اور کچھ میری اپنی عدم دل چسپی، میں نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔

یوزمی والدہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے اپنا پیٹ پالتی تھیں اور میں چھوٹی موٹی چوریوں کر کے اپنی منہ زور خواہشوں کے آگے بند ہاتھ دینے کی حکام کو شش میں لگا ہوا تھا اور کوئی لہا ہاتھ مارنے کی فکر میں تھا۔ پھر ایک دن ہسپتال لے کر ڈاکے کی بیٹ سے ایک گھر میں کود گیا۔

وہ رات سے پہلے میں نے تمام ضروری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس گھر میں ایک امیر بڑھیا اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔ رات کا وقت تھا اور وہاں بیٹا گھن میں ہو رہے تھے۔ میں نے لڑکے کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے بیدار کیا اور ہسپتال اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دیا۔ لڑکا ہڑبڑا کر اٹھا، لیکن ہسپتال دیکھ کر سہم گیا۔ میں نے دلی آواز میں اسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور پھرتی کے ساتھ اس کے ہاتھ ہاتھ کر منہ پر ٹیپ چپکا دی۔ اس دوران آہٹ سن کر اس کی یوزمی والدہ بیدار ہو چکی تھی۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید خوف اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ قریب تھا کہ وہ درہشت زدہ ہو کر چلانے لگتی اور اس پڑوس کے لوگ متوجہ ہوتے میں نے اس کے منہ پر بھی مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر ہسپتال اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دیا اور دلی آواز میں اپنا مطالبہ اس کے سامنے رکھا۔ اس عورت کو اپنے خاندانی زنجیرات میرے حوالے کرنے میں تامل تھا، لیکن جب میں نے ہسپتال اس کے بیٹے کی کھلی پر رکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے اور بالآخر اپنی ساری پونجی میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ میں دونوں کو ہاتھ بوا بند کر کے میں نے گیارہ وہ عورت خاموشی سے گھوڑی کھول کر زنجیرات نکالنے لگی۔ اس دوران نہ جانے کیسے اس لڑکے نے رسی کھول کر اپنے ہاتھ پھڑا لیے اور مجھ پر بھیٹ پڑا ہم دونوں گھبرا گئے۔ جب ہی گولی چلنے کی آواز آئی اور لڑکا بے جاں ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کے پہلو سے خون بہہ رہا تھا۔ حراست کے دوران ہمارا وہ مجھ سے گولی چل گئی تھی۔ حالانکہ میرا کسی کو مارنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو موت کی آغوش میں دیکھ کر



وہ بڑھیا جیسے سکتے میں آگئی۔ ہاں میری ہانگوں میں بھی نہیں رہی تھی۔ میرے ہاتھوں ایک بے گناہ کا خون ہو گیا تھا۔ وہ بڑھیا چند لمبے تو سکتے کی کیفیت میں رہی پھر دیوانگی کے عالم میں جلائے گی۔

میرا ہوش بختا یہ ٹوٹنے کیا کر دیا۔۔۔ مجھ سے میرا آخری سہارا بھی لے لیا۔۔۔ لو۔۔۔ یہ لو۔۔۔ یہ سہارے زبردست لے لو۔۔۔ روپے۔۔۔ بھی لے لو۔۔۔ سب کچھ لے لو، لیکن مجھے میرا بیٹا لوٹا دو۔۔۔ مجھے میرا بیٹا لوٹا دو۔۔۔“

اگرچہ اس سے جرم ہوا تھا، لیکن اس میں اس کا اندر شامل نہیں تھا۔ پول بھی وہ اپنے کیے پر پشیمان تھا۔ ہارٹ کی طرح جھم جھم برسنے والے آنسوؤں سے صاف ظاہر تھا کہ نہ صرف اسے اپنی گزشتہ زندگی پر حسرت ہے بلکہ وہ دل ہی دل میں توبہ بھی کر چکا ہے، لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اسے جیلر کی نگرانی میں پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جانے لگا۔ ایسے ہی وقت میں ان ہوتی ہو گئی۔

میں اس وقت جب احمد کے گھر میں پھنسا ہوا تھا ایک

سرکاری ہرکارہ دوڑتا ہوا

آہ۔۔۔ چلا رہا تھا۔

”احمد کو پھانسی سے

اتار دو۔۔۔ اس کی سزا

محاف ہو گئی ہے۔۔۔ اس

کی رحم کی اپیل منظور ہو

گئی ہے۔۔۔“

ہم سب حیرانی سے اس

کی طرف دیکھنے

لگے۔ سرکاری ہرکارے

نے ہاتھ میں چند

سرکاری کاغذات پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے جھٹ کر فائل

اس کے ہاتھ سے لی اور تیزی سے بلند آواز میں عہادت پڑھنے

لگا۔ وہ جگ کہہ رہا تھا۔ عدالتی فرماں واقعی احمد کی سہائی کا پرورد

تھا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ لگے۔ میں نے

جلدی سے فائل جیلر صاحب کی طرف بڑھا دی۔ جیلر صاحب

نے بھی حیرانی سے عدالتی فرماں پڑھا اور سپاہیوں کو اشارہ کر

دیا۔ پھر احمد کو پھانسی گھاٹ سے نیچے اتار لیا گیا۔ وہ بھی حیران

تھا کہ ان ہوتی کیسے ہو گئی۔ حالانکہ اس نے تو عدالتی فیصلے پر

نظر ثانی کی اپیل بھی دائر نہیں کی تھی۔

مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا کہ احمد کی گرفتاری کی خبریں کر

اس کی ماں بہار پڑ گئی۔ غم کی شدت نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔



وہ بڑھیا انتہائی دکھ

اور کرب کے عالم میں

چلا رہی تھی اور میں بھی

اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔

خواہشوں کی گلابی نے

مجھے کیا سے کیا دیا تھا۔

اب میں ایک قاتل تھا۔

ایک ایسے شخص کا قاتل

جسے میں قتل نہیں کرتا

چاہتا تھا۔ لاکھوں روپے

کے زبردست اور لوٹوں کی

گڈیاں میرے اس پاس بکھری پڑی تھیں، لیکن میں اتنی دولت

ہونے کے باوجود اس بڑھیا کی خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اس کا بیٹا نہیں لوٹا سکتا تھا۔۔۔

اتنا کہہ کر احمد سبک سبک کر رہے تھے۔ اس سے اسے

کی کہانی میں احمد کی فائل میں پڑھ چکا تھا۔ احمد نے وہاں سے

بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی اور خود کو پولیس کے حوالے کر

دیا تھا۔ عدالتی کارروائی کے ابتدائی مراحل میں ہی اس نے جج

کے رو برو اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ جرم قبول کرنے کے

علاوہ تمام شہادتیں بھی اس کے خلاف تھیں، جس پر عدالت نے

اسے موت کی سزا سنائی تھی۔

اس کی کہانی سن کر مجھے احمد سے ہم دردی ہونے لگی تھی۔



سزا معاف ہو گئی۔ جلد ہی اسے جیل سے بھی رہائی مل گئی۔  
اب احمد یکسر بدل ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی تدریسی حالت  
ترک کر دی ہیں۔ وہ گزشتہ کئی سالوں سے میرے پرائیویٹ  
کلیک میں کام کر رہا ہے۔ اور ڈیوٹی کے اوقات کے علاوہ سارا  
وقت مشغول کی ماں کو اپنی ماں سمجھ کر اس کی خدمت گزاری  
میں صرف کر رہا ہے۔ وہ اس بڑھیا کو اس کا حقیقی بیٹا تو دیکھیں  
میں دلا سکتا۔ لیکن اسے اپنی ماں سمجھ کر بیٹوں کی طرح اس کی  
خدمت تو کر سکتا ہے۔ شاید اس ہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوا  
ہو جائے۔

بیٹاری اتنی بڑھی کہ ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا۔ اس  
حالت میں اس نے مشغول کی ماں کو بلوایا اور اس کی صحت سبابت  
کی۔ ایک ماں دوسری ماں کا دکھ سمجھ گئی تھی۔ احمد کو پچانسی لگنے  
سے اس کا بیٹا واپس نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن احمد کو معاف کر کے وہ  
احمد کی ماں کا بیٹا مرنے سے بچا سکتی تھی۔ سو اس نے دل پر پتھر  
رکھ کر احمد کو معاف کر دیا۔ دونوں کی رضا مندی سے صدر  
مملکت کو رحم کی اپیل کی گئی۔ شاید اللہ تعالیٰ نے احمد کی خدمت  
اور دل سے کی ہوئی قربانوں کی تھی۔ صدر مملکت کی جانب  
سے بھی رحم کی اپیل منظور کر لی گئی۔ اور یوں احمد کی پچانسی کی

## خوش بو کا سفر

فرعون مصر کی ملک عابدہ نے سب سے پہلے مصر طلب اس لیے سب سے پہلے مصر کے قدیم حیرک پھولوں کو بکری کی چربی میں ڈال کر تیار کر دیا۔ اس میں  
رکھ کر جب پھول چربی میں پوری طرح خشک ہو گئے تو اسے مصر استعمال کیا۔ بعد میں وہ چند دوسرے مصر بھی چھوڑ کر لے کر اس کا سیلاب ہو گیا۔ اپنی بیٹی کی شادی کے  
موقع پر ملک عابدہ نے اسے صندوق اور حیر کا تختہ دیا۔ ملک عابدہ کے اس طرح کے تجربے کے بعد مصر ساری کی صنعت کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔  
پیش قیمت خوشبوؤں میں خشک، حیر اور صندوق خاص طور کے حیر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ خشکی کے پھول زیادہ تر مصر اور جزائر کو مور میں پیدا ہوتے  
ہیں۔ خوش بو کی ایک شیشی میں کم از کم پچاس سے سو قسموں کے پھولوں کی چھان شامل کی جاتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی ملک ایک بہترین پر علوم چھان نہیں کر  
سکتا۔ وہ شیشیوں قسم کے پھولوں کی چھان پر دلی محالک سے در آمد کرتا ہے۔ فرانس میں چھان ہونے والی پر علوم نہایت قیمتی اور اچھا ہے۔ اس میں  
پندرہوں قسم کے پھولوں کی چھان کے علاوہ چاندروں کے وہ اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں جنہیں عام حالات میں کوئی انسان دیکھتا بھی گوارا نہیں۔ ان میں  
خشکی ملی کی گردن کے خدوہ بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ جو اس قدر بدبو دار ہوتے ہیں کہ اس میں شامل ہونے والے عادی لوگ بھی ناک بند کر لے کر بھجوا دیے  
جاتے ہیں۔ یہ خوش بو کو دیر تک برقرار رکھنے کے لیے ڈالے جاتے ہیں۔ انہیں ان میں کوئی بھی چیز ملا دی جاتی ہے۔ جو ان کی بدبو کو ختم کر دیتی ہے۔  
پر علوم کا ایک لازمی جزو اسٹیکسوریم بھی ہوتا ہے۔ جو روپی سا ہر ماں میں خوشبو کے برآمد ایک جانور اسٹیکسور کی چربی سے تیار کیا جاتا ہے، لیکن بہت  
زیادہ قیمتی خوش بو ملانے کے لیے ایک دوسرا مادہ حبشہ میں پائے جانے والے سفید زہر کے جانور سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ  
نہایت خالص ہے۔ مٹی کے برتنوں میں ختم جانور کو دھوا کر اس کے جسم کو زخمی کر دیا جاتا ہے۔ اپنے زخموں کو منہ مل کر لے کے لیے یہ جانور ایک  
خاص قسم کا دھوا کر کرنا ہے جسے بڑی احتیاط سے سمجھایا جاتا ہے۔ مٹی کے برتنوں میں ساری سب سے لڑا جاتا ہے اور تقریباً پچاس ڈیڑھ پانچ  
فی گلو تک فروخت کیا جاتا ہے۔

پر علوم میں دوسرا قیمتی مادہ مٹک ہے۔ جو ایک خاص قسم کے چرن کی تھک سے حاصل ہوتا ہے۔ مصر کا ایک لازمی عنصر حیر ہوتا ہے۔ جو شہرک چھلی سے  
حاصل کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ چھلی کسی چیز کے پیچھے چھلتی ہے تو اسے راستے میں جو کچھ ملتا ہے وہ اسے ہارپ کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جہازوں  
کے پھوڑے ہوئے تیل کو بھی چٹ کر جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے جسم میں زہم ہو جاتے ہیں۔ ان زخموں کو منہ مل کر لے کے لیے وہ ایک مادہ  
خارج کرتی ہے۔ جو زہم ٹھیک ہونے کے بعد پانی کی سطح پر تیرنے لگتا ہے۔ چونکہ شہرک چھلی کافی بڑی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا پھوڑا ہوا یہ مادہ بھی دس  
دس چدرہ گلو میٹر ہوتا ہے اور جس شہرک کے ہاتھ یہ لگ جائے وہ پگھ چمکتے ہیں گھم پاتی ہی جاتا ہے۔ کیونکہ دس گلو حیر کی قیمت کم از کم چھ لاکھ ڈالر ہے۔  
قیمتی پر علوم کے قدر مونسے سا لاکھ سال کے عجیب و غریب بات کے بعد پائے جاتے ہیں اور پھر اس قدر مونسے کی حفاظت کسی سر بہت راز کی طرح کی جاتی ہے تاکہ  
کسی دوسری کھیتی کو اس کی ہوائ تک نہ لگے۔  
خود خشک جو مصری دودھ



# معلومات عام



☆ سورج دنیا میں سب سے پہلے جاپان میں طلوع ہوتا ہے۔  
☆ دنیا کا سب سے بڑا ایئر کنڈیشنڈ مسجد نیوی میں نصب ہے۔  
☆ مسجد الحرام دنیا کی واحد مسجد ہے جس میں کوئی عراب نہیں۔  
☆ یونیسکو عظیم جہاز کی تعمیر کو ایک ہی دن ہوتا ہے۔  
☆ دنیا میں سب سے زیادہ بندر بھارت میں پائے جاتے ہیں۔  
☆ ہالینڈ کو پھولوں کی سر زمین کہا جاتا ہے۔

(عبداللہ مہک، شہدر)

☆ اونٹ کی زیادہ سے زیادہ عمر 40 سال ہوتی ہے۔  
☆ عکاب ایک گھنٹے میں 135 کلومیٹر سفر کرتا ہے۔  
☆ ریچھ درخت پر اٹنے پاؤں چڑھتا ہے۔  
☆ بھیل رات کی قومی نشان ہے۔

☆ درائے کی گردن میں سات ہڈیاں ہوتی ہیں۔  
☆ پاکستان نے 30 ستمبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کی تھی۔  
(فیصلہ اشرف، مرید)

☆ سب سے زیادہ ہارلینڈ دنیا میں اگتے ہوتے ہیں۔  
☆ سب سے زیادہ گھڑیاں سوئٹزر لینڈ میں بنتی ہیں۔  
☆ سب سے زیادہ ریٹم جین میں پایا ہوتا ہے۔  
☆ گھڑے کے دانت اس کے پیٹے میں ہوتے ہیں۔  
☆ سب سے زیادہ گندم روس میں پیدا ہوتی ہے۔

(سید قمر فیصل آباد)

☆ دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا شہر ٹوکیو ہے۔  
☆ عکابوں کا شہر سرگودھا کو کہا جاتا ہے۔  
☆ دنیا کا سب سے بڑا شہری نظام پاکستان میں ہے۔  
☆ ہاتھی کی سونڈ میں کوئی ہڈی نہیں ہوتی۔  
☆ ناشپاتی کا درخت تین سو سال تک پھل دیتا ہے۔  
☆ یولٹے وقت انسان کے 70 لمحے حرکت کرتے ہیں۔  
☆ سندھ کے پہلے وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو تھے۔

(نام احمد، چنار)

☆ چین کا قومی پھول زمر ہے۔  
☆ دنیا کا سب سے پرانا شہر دمشق ہے۔  
☆ دنیا کا سب سے خطرناک کھیل مل فٹنگ ہے۔  
☆ پاکستان کی آزادی کا اعلان 3 جون 1947ء کو ہوا تھا۔  
☆ نیچا سلطان کے گھوڑے کا نام ملاس تھا۔

(مہانت ناصر، اوکھڑ)

☆ چین 110 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔  
☆ دنیا کی گندھک کی کل پیداوار کا 75 فیصد امریکہ میں پیدا ہوتا ہے۔  
(حافظ حمزہ علی، مساجد علی، حارف وانی)  
☆ بانی پاکستان کو قائد اعظم کا خطاب مولانا مظہر الدین نے دیا تھا۔

☆ پاکستان کے پہلے صدر جنرل سکندر مرزا تھے۔  
☆ پاکستان کی خوب صورت ترین جھیل سیف الملوک ہے۔  
☆ پاکستان میں قدرتی گیس کا سب سے بڑا ذخیرہ "سوئی" (بلوچستان) میں ہے۔

☆ پاکستان کا مصنوعی جنگل چھاڑگاٹا ہے۔  
☆ پاکستان میں پہلی مرم شہری 1951ء میں ہوئی تھی۔

(حسن ذکا، قلعہ دیار سنگھ)

☆ پاکستان کا سب سے قدیم شہر ملتان ہے۔  
☆ پاکستان کی دریافت ہونے والی قدیم ترین ہستی موناچوواں سنگھ (سندھ) میں ہے۔

☆ پاکستان نے 1992ء میں عمران خان کی قیادت میں ورلڈ کپ جیتا تھا۔

☆ وسیم اکرم نے زمبابوے کے خلاف ٹیسٹ کرکٹ میں 8ویں نمبر پر جا کر 257 ناٹ آؤٹ کی شاندار اننگ کھیلی۔ جواب تک عالمی ریکارڈ ہے۔

(شیر احمد، گراہل)

☆☆☆



مفید مشغلے

## فلاحی کام

احرام حاصل ہے۔  
عبدالستار ایڈ جی اپنے  
فلاحی کاموں کی  
بدولت دی سکون  
بھٹی دولت سے فیض  
یاب ہیں۔

پاکستان کے تمام دور  
کرکٹر، جو دنیا بھر میں  
شہرت رکھتے ہیں۔ ان  
کی ماں کینسر جیسے  
مؤذی مرض کا شکار  
ہو گئیں تو دولت،  
عزت اور شہرت  
رکھتے دلا یہ کرکٹر اپنی  
ماں کو نہ بچا سکا، مگر



غلام حسین یحیٰ

ماں کی محبت اور موت نے اس کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ  
پیدا کیا۔ اس نے دوسری ماں اور مریضوں کے ہاٹے میں سوچا  
جو کینسر جیسے قذیت ناک مرض میں مبتلا ہو کر ناکافی سہولیات اور  
غربت کی وجہ سے دھیرے دھیرے موت کے قریب ہو رہے  
ہیں۔ کرکٹ کی بدولت کھائی ہوئی اپنی دولت اور اٹھائے بیج کر  
اس نے لاہور میں اپنی داد مرعومہ کے نام سے کینسر کا ایک  
بڑا اسپتال بنانے کا ارادہ کیا۔ پھر مسلسل محنت اور عزم کی  
بدولت یہ خواب آج شوکت خانم ہسپتال اسپتال کی شکل میں  
ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس اسپتال کا بانی مرعومہ شوکت  
خانم کا بیٹا عمران خان ہے۔

ان دو مثالوں کے علاوہ ہمیں دنیا میں ایسی متعدد مثالیں  
مل جاتی ہیں کہ لوگوں نے خدمتِ انسانی کو اپنا مشن بنایا اور  
دوسروں کو راحت اور آرام پہنچایا۔

دورِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو  
دورِ طاقت کے لیے کچھ کم نہ تھے کردیاں

نوجوان سے ماں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ  
بیماری اور درد سے تڑپ رہی تھی۔ نوجوان پریشانی کے عالم میں  
گھر سے باہر بھاگتا ہے۔ کوئی ایسی گاڑی نہیں ملتی جس میں ماں کو  
اسپتال لے جائے۔ وہ بڑی مشکل سے ایک گاڑی لے کر آتا  
ہے۔ اندر آکر دیکھتا ہے تو ماں کی روح پر دلا کر بچی تھی۔ ماں  
کی موت نے اس کے اندر سوچ کا ایک نیا در کھولا کہ ایسی کتنی  
مائیں اور مریض ہوں گے جو درد سے تڑپ رہے ہوں گے اور  
انہیں اسپتال لے جانے کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو گا۔ یہ  
واقعہ پاکستان کے قیام کے بعد کے ابتدائی دور کا ہے۔ اس نے  
ماں کی موت کے بعد ایجوکیشن سروس کا آغاز مختصر پیمانے پر  
کیا اور پھر اس کام کو اس حد تک بڑھایا کہ آج پاکستان کے ہر  
علاقے میں سینکڑوں ایجوکیشن سروس کی خدمت پر مامور ہیں۔ اس  
عظیم انسان کا نام عبدالستار ایڈ جی ہے جو ڈکھی انسانوں کے لیے  
مرہم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عوام کی مدد سے عوام کی خدمت پر  
یقین رکھنے والے اس عظیم انسان کو ساری دنیا میں عزت اور



بہرہ اس علمی تھلے کو پا کر خوشی سے جھلکا اٹھے گا۔ اس وقت آپ بھی ایک عجیب سی خوشی محسوس کریں گے۔

اسی طرح کئی اور کام بھی ہیں جو آپ کی شخصیت کو نکھار سکتے ہیں۔ ان میں نامور اور بزرگوں کے لیے راستے میں آسانیاں پیدا کرنا، کم زور اور بیماروں کو اسپتال لانا اور لے جانا، ایک سے زائد منزل پر مشتمل عبادت میں دیانگی کی صورت میں بزرگوں اور کم زوروں کو سیر چلیں اترنے میں مدد دینا، ناگہانی آفت کی صورت میں خود کو خدمت کے لیے پیش کرنا جیسے کام، فلاحی خدمت کی تعریف میں آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

سیلاب اور زلزلے ہر جگہ میں آتے ہیں اور انسانوں کو آزمائش میں مبتلا کر جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر مصیبت میں مبتلا لوگوں کی مدد کیجئے۔ آزمائش میں مبتلا لوگوں کو نکالنے والوں میں شامل ہو جائیے یا متاثرین کے لیے بنائے جانے والے کیمپ تک ان کے لیے مختلف لوگوں سے جمع کیا ہوا راشن اور کپڑے پہنچائیے۔ ننگے ہوئے لوگوں کو راست بتانا، پھڑے ہوئے بچوں اور بزرگوں کو ان کے گھر تک پہنچانا بھی ایک عبادت ہے۔ آپ اپنے دوستوں کے ہم راہ مختلف لوگوں کی مالی مدد سے صحت کے کیمپ کا کر بھی کریں۔ کو علمی سہولت فراہم کر سکتے ہیں۔

عملی زندگی میں آپ اور زیادہ منظم انداز میں ان کاموں کو اہم دے سکتے ہیں۔ مثلاً اپنی اپنی مستقل اور موجود میں رہتے ہو علمی سہولتوں کو ایجنسی کم کرنے پر لوگوں کو مہیا کرے۔ علم کا شعور ابھار کر کرنے کے لیے اور دوسروں کو تعلیم سے بہرہ مند کرنے کے لیے اپنی مدد آپ کے تحت تعلیمی ادارے بنا کر جہالت کا اندھیرا ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کیجئے۔

دوسروں کے لیے آسانیاں فراہم کر کے آپ نہ صرف سکون جیسی دولت پائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے لیے مزید آسانیاں پیدا کرے گا۔

☆☆☆

کردہ فرشتے کو کہتے ہیں اور کردہیاں جمع ہے فرشتے کی۔ شاعر کی مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کا دکھ ہانٹنے کے لیے ہی اللہ رب العزت نے انسانوں کو دنیا میں بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو محض انسانوں سے مجھے سے کروانے مقصود نہیں تھے۔ اس کام کے لیے تو انسان کے وجود سے پہلے ہی فرشتے موجود تھے۔

عظیم محمد سعید ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کراچی میں ایک صاحب سردی کی رات کو خاموشی سے ٹوک لے کر نکلے تھے جس میں بہت سے کھلی ہوئے تھے۔ وہ فٹ پاتھ پر سونے والے لوگوں پر کھلی ان کر چلے جاتے۔ فٹ پاتھ پر سونے والے صبح جب وہ بیدار ہوتے تو انہیں اپنے محسن کا نام بھی معلوم نہ ہوتا مگر ان کے دل سے انہی محسن کے لیے دعا میں ضرور نکلتی۔

آپ بھی قدمجو انسانیت میں حصہ لے کر اپنے وجود کا احساس دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ہمت اور طاقت عطا کی ہے، اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان لوگوں کی مدد کیجئے جو آپ کی مدد کے مستحق ہیں۔ آپ اچھے طالب علم ہیں۔ ایسے فلاحی کاموں کا آغاز اپنے تعلیمی ادارے سے کیجئے۔ اپنی کلاس کے اس طالب علم کو دیکھیے جو پڑھائی میں کم زور ہے مگر اس کے اندر علم حاصل کرنے کا شوق ہے۔ اسے کچھ وقت دے کر پڑھائیے اور مشکل باتوں کو آسان انداز میں سمجھائیے اس سے یقیناً آپ کے علم میں بھی اضافہ ہوگا۔

آپ کے والدین کی مالی حالت اچھی ہے تو اپنے تعلیمی ادارے میں موجود کسی ایسے طالب علم کی خاموشی سے مدد کرتے ہوئے اس کی فیس ادا کر دیجئے جو اپنی فیس ادا نہیں کر سکتا۔ یاد رکھیے خاموشی سے کی ہوئی نیکی اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ اس سے انسان دیوکاری سے فکا جاتا ہے۔

جب آپ امتحانات میں کامیابی کے بعد اگلی کلاس میں پہنچیں تو اپنی ان کتابوں کو بعد میں آنے والے کسی مستحق طالب علم کو تحفہ سمجھ کر دے دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا



## ایک شیر دل سپہی کا قصہ



حکایت

## ایسا بھی ہوتا ہے

ہذا آخر انتظار کے لڑکتے ناک لہات قہم ہوئے اور دشمن کے نیچوں کو چہا کرنے کے مشن پر جانے والی پارٹی کا اعلان ہوا۔ سپاہی شیر جان بہت خوش نظر آ رہا تھا کیوں کہ اس پارٹی میں اس کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کی خواہش اور پانوں کا خطر کی کوشش رنگ لائی تھی۔

”صاحب! آپ کا بہت شکر ہے۔“ سپاہی شیر جان خوش خبری سننے ہی اپنے پانوں کا خطر کے پاس پہنچ گیا۔

”شیر جان! یہ سب اللہ تعالیٰ کی کرم تواری ہے۔“ پانوں کا خطر نے افساری سے کہا۔

”صاحب! آپ میری کامیابی کے لیے دعا کریں۔“

”بیٹا! میری دعا ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔“ انھیں اپنے مشن میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے۔“ پانوں کا خطر نے اسے دعا دیتے ہوئے کہا ”اب تم اپنے پارٹی کا خطر کے ساتھ مل کر روانگی کی تیاری کرو۔ اور اپنے نام کی لاج رکھنا۔“ شاباش۔۔۔ اب تم جا سکتے ہو۔“

”اے شاہ!۔“ شیر جان نے کہا اور اپنے پانوں کا خطر کو

”صاحب! آج رات جو پارٹی ”ہنگ ہنگ“ مشن میں ہے۔۔۔ میرا نام بھی اس میں شامل کر دیں۔۔۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔“ سپاہی شیر جان لاجت بھرے انداز میں اپنے پانوں کا خطر سے کہہ رہا تھا۔

”اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔ مشن پر جانے والوں کی فہرست بن چکی ہے۔“ پانوں کا خطر بولا۔

مجھے پتا ہے صاحب! لیکن آپ کو شش کریں تو بات بن سکتی ہے۔“ سپاہی شیر جان نے اصرار کیا۔

”بچے! اگر بات کو شش کی ہے تو وہ میں ضرور کروں گا۔۔۔ آگے تمہاری قسمت۔“ پانوں کا خطر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”لیک ہے صاحب! مجھے منظور ہے۔“ سپاہی شیر جان نے سہلے کیا اور تیز تیز چلتا ہوا فیصے سے باہر نکل گیا۔ اب وہ بے لگنی سے رات کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اسے صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چمک چمکتے میں دقت کو گزرتا چاہتا تھا۔



بھگت کرنے کے بعد بخاری سے اس طرف بڑھا جہاں "ٹینگ" بھگت پادری "میں شامل جو ان جمع ہو رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"میرے بہادر جوانو! آپ کو ایک ایسے عظیم مشن پر بھیجا جا رہا ہے۔ جس مشن پر قسمت والے ہی جاتے ہیں۔ دشمن تعداد میں ہم سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اور سلاہن جنگ کے اعتبار سے بھی اس کا پلہ بھاری ہے۔ لیکن حق و باطل کی اس جنگ میں ہمارا سب سے بڑا مددگار ہمارا اللہ ہے۔ وہی اللہ جس نے جنگ بدر میں ایک بڑا کافروں کے مقابلے میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو فتح یاب کیا تھا۔ ٹینگ بھگت مشن ایک انتہائی خطرناک مشن ہے۔ اس مشن کے ذمہ داری اُن کے ایگاہات بہت کم ہوتے ہیں۔" کہنی کاٹھرنے بھگت (مہم کی تفصیلات بتانے) کے بعد اپنے سامنے کھڑے دس جوانوں کو باری باری بڑے غور سے دیکھا لیکن ان کے آخری چھلے کاٹھرنے خوب ہی کر کسی جوان کے چہرے پر اثراد کھائی نہ دیا۔

"جس قوم میں آپ جیسے جرأت مند بیٹے موجود ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کا سر نہیں جھکا سکتی، محول اس کی آسمان اور زمین اس کا شکن ہوتی ہے۔"

کہنی کاٹھرنے صاحب یہ کہتے ہوئے چند لمحوں کے لیے رُکے اور پھر بولے: "ہم سب آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس مشن میں کامیابی عطا فرمائے۔"

"آمین۔" سب جوانوں کے من سے ایک وقت لفظ آئیں۔☆.....☆.....☆

ٹینگ کے ٹینگ دس منٹ بعد "ٹینگ بھگت پادری" دشمن کے مورچوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ بھارتی مورچوں سے کافی دور رُک گئے۔

"جوانو! یہاں سے ہم مختلف سمتوں میں بکھر جائیں گے۔" پادری کاٹھرنے نے کہا۔ "کہنی کاٹھرنے صاحب کی بھگت کے بعد اس مشن کی خاص خاص باتیں میں نے آپ سب کو بتا دی تھیں۔ آپ نے مشن کے دوران ہر لمحہ ان کا خیال رکھنا

ہے۔"

"ٹینگ ہے صاحب!" سب جوانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"مقام مکمل ہونے کے بعد ہمارا "رپورٹنگ پوائنٹ" یہی مقام ہو گا۔ حالات سنگین ہونے کی صورت میں اس مقام کے بجائے براہ راست کیمپ میں رپورٹ کرنا ہو گی۔ یہاں تک کوئی ٹینگ۔" پادری کاٹھرنے جوانوں سے پوچھا۔

"نہیں جناب۔" سب جوانوں نے لگی میں سر ہلائے۔

"ٹینگ ہے اب تم سب باری باری ایک دوسرے سے مل لو، ہم میں کون عازمی ٹھہرے گا اور کون شہادت کا رتبہ حاصل کرے گا یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔" پادری کاٹھرنے کہا اور سب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور پھر مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

سپاہی شیر جان نے اپنے ساتھیوں سے جدا ہونے کے بعد دشمن کے مورچوں سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا اور پھر "ٹینگ" پوزیشن میں آگیا۔ اُسے دشمن کے مورچوں کے حجب میں واقع درختوں کے جھنڈ تک جانا تھا۔ اطلاع کے مطابق دشمن نے اپنے ٹینگ اسی جگہ "ٹنگر" کیے تھے۔ وہ کہیں اور ہیٹ کے تلے لیٹ گئے ہوئے نہایت قتلہ انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ دشمن کے مورچوں میں راست کے وقت دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والی انور میوز اور مشین گنوں کی زد سے بچنے کے لیے اُسے کافی لمبا پھر کاٹھرنے "ٹینگ" کے پوائنٹ اس کی خاکی وردی کہیں کے مقام سے پھٹ گئی تھی اور اس کی کہیں سے خون رسنے لگا تھا لیکن وہ اپنی ذمہ داری کا پکا تھا۔ وہ زخموں کی پردہ کے بغیر راستے کی مشکلات کو سہتا ہوا بالآخر درختوں کے جھنڈ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ عین اسی وقت لٹھا کیے بعد دیگرے تین زور دار دھماکوں سے گونج اٹھی جو اس بات کا اعلان تھی کہ "ٹینگ بھگت پادری" نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔



”شاہاش، شاہاش جو اولا“ سپاہی شیر جان نے دل ہی دل میں اپنے ساتھیوں کو دلدی اور اٹھ کر تیزی سے دوڑتا ہوا ایک درخت کی آڑ میں آگیا۔ اس کی ٹکاپیں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لپٹک اس کی فکر درختوں کے جھنڈ پر آکر ٹھہر گئی۔

فکار اس سے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر اپنی دانت میں چھپا کھڑا تھا۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر اپنی کمر سے بندھے راکٹ لانچر کو اتار کر دائیں کندھے پر رکھا اور اللہ کا نام لے کر راکٹ فائر کر دیا۔ پھر دل جلا دینے والا دھماکا ہوا اور بھارتی کیولری کا سچو نہیں ٹینک شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔

کارروائی کرنے کے بعد سپاہی شیر جان نے فوراً اپنی پوزیشن تبدیل کی اور تقریباً سو گز پیچھے آگیا۔ اگلے چند وہ منٹ کے دوران مختلف سمتوں سے وقفے وقفے سے چار دھماکے ہوئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت تک ”ٹینک ہنگ پارٹی“ نے دشمن کی کیولری (ٹینک فورس) کو خاصا نقصان پہنچا دیا تھا۔ اتنی چوٹیں کھانے کے بعد دشمن کہاں خاموش بیٹھا۔ اس نے ایک وقت توپوں اور مشین گنوں کا فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی ”جراثیٹ راولڈ“ (روشنی کے گولے جو کچھ دیر تک فضا میں محفل رہنے کے بعد بجے گر جاتے ہیں) بھی فائر ہونے لگی۔

ان کی روشنی میں سپاہی شیر جان کو پانچ ٹینک دکھائی دیے جو بھارتی فوجی مورچوں سے چند گز آگے گئے درختوں کے نیچے کھڑے تھے۔ اتنا ”مال“ دیکھتے ہی شیر جان بے چین ہو گیا۔ لیکن فوری طور پر کچھ کر گزرنے کا موقع نہیں تھا۔ ایک تو ٹینک قدمے دوڑ کھڑے تھے اور دوسرا بھارتی مورچوں سے نصب مشین گنیں سے لہجہ لہجہ رسا بدل بدل کر فائر کیا جا رہا تھا۔ سپاہی شیر جان درخت کے پیچھے چھپ کر موقع کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ”جراثیٹ راولڈ“ فائر ہونا بند ہو گئے۔

ماحول پر ایک بار پھر ہلکا ہلکا اندھیرا چھا گیا۔ سپاہی شیر جان کو کام دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ انتہائی مختلط انداز میں درختوں کی آڑ لیتا ہوا مشین گن پوسٹ کی زد سے باہر نکل آیا تھا لیکن دوسرے مشین گن پوسٹ کی آنکھوں میں ڈھول

جھونکنے کے لیے اسے جان پر کھیلنے کے ساتھ ضبط کے کڑے امتحان سے بھی گزرنا تھا۔ اس مشین گن پوسٹ کے سامنے پختہ درخت تھے جو ایک دوسرے سے قدمے فاصلے پر واقع تھے اور ان کے درمیان خاردار جھاڑیاں تھیں۔ دوسری مشین گن پوسٹ سے وقفے وقفے سے ”برسٹ فائرنگ“ کا سلسلہ جاری تھا۔ سپاہی شیر جان نے دو تین منٹ انتظار کیا اور پھر اللہ کا نام لے کر خاردار جھاڑیوں کے درمیان سے دھنکنا ہوا آگے سرکے لگا۔ جھاڑیوں کے تنوں کیلئے کھنکھنے اس کے جسم میں تیر کی مانند چھو رہے تھے۔ سر کے اوپر سے مشین گن کی گولیاں سنسنی ہوئی گزر رہی تھیں لیکن وہ تکلیف اور خطرے کی پروا کیے بغیر اس نے کشش ”ٹارگٹ“ (ہدف) کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس ”ٹارگٹ“ کو چھوڑ کر پیچھا ہٹا اسے کسی قیمت پر گواہ نہ تھا۔ بالآخر وہ دوسرے مشین گن پوسٹ کی زد سے نکلے میں کاسیاب ہو گیا۔ درختوں کے جھونے سے جھنڈ کے پاس پہنچ کر وہ بھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”فکار“ اب صرف سو گز کی دوری پر تھا۔ اس نے ارد گرد کا جائزہ لے کر پہلے دائیں کا راستہ ڈھن لکھیں کہ پھر اس کے بعد راکٹ لانچر کندھے پر رکھ لیا۔ وہ راکٹ پھانسنے ہی والا تھا کہ لپٹک دو (دردار دھماکے ہوئے اور وہ ٹینکوں نے آگ پکڑ لی۔ سپاہی شیر جان کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے جلدی سے باقی نیچے والے تینوں میں سے ایک ٹینک کو نشانے پر لے کر راکٹ فائر کر دیا۔ دھماکے کے دوران اس نے نگلی کی سی تیزی سے پوزیشن بدل کر باقی دونوں ٹینکوں کو بھی آگ لگادی۔ اس کے بعد وہ دائیں کے قبلوں راستے پر تیزی سے ”ٹارگٹ“ کرنے لگا۔ اتنی بڑی تعداد میں ٹینکوں کے نقصان نے دشمن کے تین بدن میں آگ لگادی تھی۔ توپوں اور مشین گنوں کے فائر میں یک دم تیزی آگئی۔ ”جراثیٹ راولڈ“ فائر ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بھارتی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد مورچوں سے نکل کر حملہ آوروں کی تلاش میں چاروں طرف پھیل گئی۔ اُدھر جالا جالا شعلیں کا احساس ہوتے ہی پاکستانی جہازوں نے دائیں کا راستہ



کڑی

☆ ہے رتوں انسان ہر تک خاموش رہتا ہے گل مندوں  
میں شہر ہوتا ہے۔

☆ کسی سے ملو تو ایسے ملو کہ وہ آپ سے ملنے کی تمنا کرے

☆ ہمیشہ مسکرائیں کہ دنیا مسکرائے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔

☆ خیر النیاس کا سب سے زیادہ مست ہے۔

ہم کسی کا دل دکھانے سے پہلے سوچو کہ تم خود بھی ایک دل رکھتے ہو۔  
(سلفی مشکورہ لاہور)

رہا تھا کہ یہ کیا ہوا؟..... اور کیسے ہوا؟..... سوچتے سوچتے جوں  
 ہی اس نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ اس طرف دیکھا تو اسے حیرت کا  
 ایک اور شدید ہولکا لگ سا۔ پھر اسی جگہ موجود تھا۔

”یا اللہ!۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟“ اس نے جھڑپوں کی لوث سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ دیا۔ آہستہ آہستہ گزر رہا تھا بھارتی توپوں اور مشین گنوں کے فائر کی شدت بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دم توڑتی جا رہی تھی۔ سپاہی شیر جان پیٹ کے تل لیتا جھڑپوں کی لوث سے سانپ کو دیکھے جا رہا تھا۔ جب رات صبح میں ڈھلتا شروع ہوئی تو سانپ نے ایک خوف ناک پھلکار ماری اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ہائیں طرف موجود جھڑپوں میں گم ہو گیا۔ سانپ کے نظروں سے لاپتہ ہوتے ہی سپاہی شیر جان اپنے ”مورسے“ سے باہر نکل آیا اور ہر دگر کا جانکا لیتا ہوا تھا۔ انداز میں آگے بڑھ کر سانپ دلی جگہ سے ہو کر چوں ہی اس نے اٹھ کر دم اٹھایا وہیں جم کر رہ گیا۔ آگے بڑھ کر پانچویں فٹ گہری کھائی تھی جس میں تینوں بھارتی سپاہی خون میں لت پت بے حس و حرکت پڑے تھے۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹا اور ”اللہ اکبر“ کہتا ہوا سمجھنے میں گر گیا۔ وہ جب ”رپورنگ پوائنٹ“ سے ہوتا ہوا اپنے کیمپ پہنچا تو ایک اور خوش خبری اس کی منتظر تھی اور وہ یہ کہ اس کا پارٹی کمانڈر دیگر جوانوں سمیت زندہ سلامت موجود تھا اور سپاہی شیر جان کی آمد ان سب کے لیے ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔ لیکن جو ہزار سپاہی شیر جان نے دیکھا تھا اس کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔

شروع کر دیا قتلہ ہر ایک اپنے اپنے اعدا میں دشمن کی دسترس سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف قتلہ سپاہی شیر جہاں بھی غلطرات سے بچتا بچتا "سر پر ٹھک پڑا" کی طرف بڑھ رہا تھا تقریباً ہزار گز فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ٹھک کر ڈک گیا کہیں کہ صورت حال ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی۔ ایک اڑدیا تھا سانپ اس کے راستے میں دکھوتہ بن گیا قتلہ اس نے دائیں بائیں سے نکلنے کی کئی بار کوشش کی، لیکن ہر بار سانپ نے وحشت ناک انداز میں پھنکارتے ہوئے اس کا راستہ روک لیتا قتلہ یوں محسوس ہو رہا تھا وہ کسی صورت بھی اُتے آگے نہیں جانے دے گا۔

سپاہی شیر جان کے ذہن میں دستی بم چلانے کا خیال آیا لیکن اس کا یہ عمل خطرے سے خالی نہ تھا کیوں کہ اس طرح دشمن کو اس کی پوزیشن کا علم ہو جاتا اور پھر اس کا زعمہ بچ کر جاتا لیکن نہ تھا۔ وہ جب سٹی کشن میں جا کر آگے بھی دشمن راہروں کے گھراؤ تھا اور پیچھے سے بھی دشمن کے آنے کا امکان تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے چھ بج رہے تھے۔ سحر ہونے میں ابھی وقت تھا۔ میں اس لیے اسے کسی کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ بھرتی سے دائیں جانب موجود گھٹی بھلاڑیوں میں چھپ گیا۔ چند منٹ بعد قدموں کی دھمک بہت قریب آ گئی۔ سپاہی شیر جان نے تھیلے سے دستی بم نکال کر دونوں ہاتھوں میں قیام لیے۔ اس نے بھلاڑیوں کی ٹوٹ سے دیکھا۔ آنے والے تین تھے ایک نے مشین گن کر کے لگا رکھی تھی جب کہ دوسرے کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ سپاہی شیر جان نے سانس روک لی اور دشمن بھلاڑیوں کے قریب سے گزر کر آگے نکل گیا۔ اگلے لمبے فضا میں کرپہ چٹخیں ابھریں اور تینوں بھارتی سپاہی اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یک دم نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ دشمن میں اس کی جگہ سے گزرا تھا جہاں سانپ موجود تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ اب وہ سانپ وہاں موجود نہیں تھا۔ سپاہی شیر جان بہت حیران و پریشان تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ







لگائے وہ چنگے لگائے کہ سب عٹل عٹل کر اٹھے اور ہم نے ایک اور میں 40 اسکور پورا کر دیا۔

چچا تیز کام اپنی داستان کرکٹ سناتے ہوئے بولے۔  
"کیا!!" یہ سن کر سب حیرت سے چلا اٹھے۔

"لیکن ابا جان ایک اور میں تو صرف چھ گیندیں ہوتی ہیں۔ آپ نے چھ گیندوں میں 40 اسکور کیسے بنالیا؟" محمود نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم نے ہر گیند پر چھکا لگایا اور اسکور پورا ہو گیا۔"

"لیکن چچا تیز کام چھ گیندوں پر چھ چنگے لگائے سے بھی 40 اسکور پورا نہیں ہو تا بلکہ پچیس بنتا ہے۔" ایک لڑکا بولا۔

"بھئی ایک گیند دانت اور ایک نو ہال بھی تو ہوتی تھیں۔" چچا تیز کام بھلا کہاں ہار ماننے والے تھے۔

"آپ تو چھپے رستم تھے۔ ابھی کچھ دیر بعد یونہی سنی کر فوٹو میں ایک ٹیم کے ساتھ تھرا بیٹھی ہے۔ ابھی ہم اسی بیٹھی کی پیکٹس کر رہے تھے۔ آپ ہمارے امپائر بن جائیں کیوں کہ ہمارے پاس کوئی امپائر نہیں ہے۔" محمود کی ٹیم کے کپتان نعمان نے کہا۔

"کیا کہا۔۔۔ ہم اور امپائر۔۔۔ بابا۔۔۔ تا۔۔۔ بہت عرصہ ہوا ہم کرکٹ چھوڑ چکے ہیں۔" چچا تیز کام امپائر بننے کا سن کر گھبرا کر بولے۔

"ہلیز، ہلیز جی ہلیز۔" نعمان نے بلند آواز میں کہا تو سب کے بھی ایک زبان ہو کر گئے۔ "ہلیز چچا جان جائیں۔" "اچھا۔۔۔ بابا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ٹیک ہے۔" چچا بولے۔ کچھ دیر بعد چچا امپائر بننے کر انداز میں کھڑے تھے۔

جیسے ہی باؤلر نے پہلی بال کروائی چچا تیز کام نے جلدی سے نو بال کا اشارہ دیتے ہوئے اپنا دلیاں ہاتھ باندھ دیا۔

"یہ تو لڑائی بال تھی۔" باؤلر نے حسرت سے چچا تیز کام کی طرف دیکھا۔

"ہم بھی تو یہی اشارہ کر رہے تھے کہ یہ نو بال ہے۔ مطلب یہ گیند نہیں ہے۔" چچا تیز کام بولے۔

"گیند اور ہماری ٹوپی ذرا ہمیں پکڑنا ہم محمود میں اور ان کے دوستوں کو دیکھتے ہیں۔" پھر چچا ٹوپی سر پر رکھے اور گیند ہاتھ میں پکڑے کمرے سے باہر آئے۔ دروازے پر محمود اور اس کے دوست پہلے ہی گیند لینے کے لیے کھڑے تھے۔

"چچا تیز کام۔۔۔ چچا تیز کام۔۔۔ ہماری گیند دے دو۔" چچا تیز کام کو دیکھتے ہی سب لڑکے پکار اٹھے۔

"کرکٹ کے برعکس دروازگی بھی کوئی کرکٹ کھیلتے کی جگہ ہے۔" چچا تیز کام بولے۔

"ابا جان! ہمارے علاقے میں کوئی کرکٹ تو ہے نہیں، اب اگر ہم گلی میں نہ کھیلیں تو در کیاں کھیلیں۔" محمود نے جواب دیا۔ "ارے بھئی ضروری تو نہیں تم کرکٹ ہی کھیلو۔ تم کوئی اور کھیل بھی تو کھیل سکتے ہو۔" بعد کرکٹ بھی کوئی کھیل ہے۔ "چچا تیز کام نہ اسامہ بنا کر بولے۔

"آپ کو کیا پتا کرکٹ کتنا زبردست کھیل ہے، آپ نے کبھی کرکٹ جو نہیں کھیلی۔" ایک لڑکا بولا۔

"بھئی اسنا تم نے، یہ آج کل کے لوفے ہمیں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کرکٹ کا کیا چک ارے برعکس دروازہ اپنے وقت میں ہم اپنی ٹیم کے کپتان ہوا کرتے تھے، کپتان۔۔۔"

"ابا جان! کیا آپ بھی کرکٹ کھیلا کرتے تھے؟" محمود نے حیرت کا اظہار کیا جن اور تمام بچے بھی حیرت سے چچا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔

"مگر نہیں تو کیا ہمارے چنگے تو پورے علاقے میں مشہور تھے۔"

"بانک پھر تو آپ ماشاء اللہ کرکٹ کے پرانے کھلاڑی ہیں۔" جن بول اٹھا۔

"ہماری ٹیم کی جیت کا دار و مدار ہی ہم پر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے گاؤں کا دوسرے گاؤں والوں کے ساتھ بیٹھی تھا۔ ہماری ٹیم کو بیٹھنے کے لیے ایک اور میں 40 رنز کی ضرورت تھی اور آخری بے باز بھی ہم ہی تھے۔ بس پھر ہم نے وہ چنگے



گے تو ہم بچے آسانی سے جیت جائیں گے۔" محمود بولا۔

"چو کے، بچے لگا، تو ہمارے ہائیں ہاتھ کا کام ہے۔"

پھر نعمان نے دوسری ٹیم کے کپتان سے بچا کے کھیلنے کے

بارے میں بات کی تو انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

"آپ کو ہم بچک کے لیے آخر میں بھیجیں گے کیوں کہ

آپ ماشاء اللہ چو کے بچکے لگاتے ہیں۔" نعمان نے کہا۔

"اس وقت تک ہم بھلا کیا کریں گے؟" بچا تیز کام تھلا کر

بولے کیوں کہ فارغ بیٹھنے سے ان کو کوفت سی ہوتی تھی۔

"اس وقت تک بچا ہماری طرف سے فیلڈنگ اور ہارنگ کریں

گے آخر یہ ہمارے بھی تو بچا ہیں۔" دوسری ٹیم کا کپتان بولا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔ ہم تو سب کے بچا ہیں۔"

بچا تیز کام زور سے اپنا سر ہلاتے ہوئے بولے۔

ہارنگ کے لیے پہلا اور بچا ہی کو دیا گیا۔ جیسے ہی بچے

شروع ہوا بچا تیز کام فوراً رن اپ لینے کے لیے دوڑے، لیکن

جیسے ہی انہوں نے گیند کروائی چابی ان کا ہاتھ فضا ہی میں

بھول کر رہ گیا۔ کیوں کہ جلدی میں وہ گیند لینا بھول گئے تھے۔

پہلی اس حرکت پر سب لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔

"مرے بھی۔۔۔ ہمیں گیند تو بکرا دو۔"

بچا تیز کام کھیلنے سے ہو کر بولے۔ پھر انہوں نے گیند جس

تیزی سے بے ہار کی طرف بھینکی تھی اس سے کہیں زیادہ تیزی

سے وہ فضا میں بلند ہو کر بچکے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

"بچا تیز کام۔۔۔ وہ جیوں سے۔۔۔ پہلے ہی گیند پر چھکا کوئی

ٹیک ٹکون نہیں۔" ایک کھلاڑی جھار۔

"مرے یہ گیند تو میں نے بچہ بچہ کر دی ہے ہی کروائی تھی۔

اب دیکھنا دوسری گیند پر آؤٹ نہ کیا تو پھر کہہ۔"

بچا تیز کام اور مکمل ہونے تک چار چوکے اور دو بچکے کھلا

بچکے تھے۔ بچے کافی دل چسپ ہو گیا تھا۔ پہلی ٹیم نے 120 رنز

ہائے تھے۔ محمود کی ٹیم 100 بنا چکی تھی۔ اب بچے بیٹھے کے

لیے انہیں 20 رنز کی ضرورت تھی۔ جب کہ ابھی دو بوز کا

مکمل باقی تھا۔

ہارنگ نے کھیلنے کے سے انداز میں سر ہلایا اور دوبارہ ہارنگ

کروائی شروع کی۔ کچھ دیر تو بچا تیز کام اس کی ہارنگ دیکھتے

رہے۔ لیکن پھر بچا تیز کام نے یوں فضول میں کھڑا رہنا اچھا نہ

سمجھا۔ اب جیسے ہی ہارنگ نے گیند کروائی اور بے ہار نے زور

سے گیند کو ہٹ لگائی اور گیند فضا میں بلند ہوئی تو بچا تیز کام نے

فوراً اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی اوپر اٹھائی۔

"اوہ۔۔۔ بچا تیز کام۔۔۔ یہ تو چھکا ہے۔ اور آپ آؤٹ

ہونے کا اشارہ کر رہے ہیں۔" بچا تیز کام کو اشارہ دیتے دیکھ کر

بے ہار چلا اٹھا۔

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ہم بھی ویسا کر رہے تھے۔ وہ

دراصل ہمارے کان میں خدش ہو رہی تھی۔ اس لیے ایک ہاتھ

سے ہم کان میں خدش کر رہے تھے۔" بچا تیز کام دونوں ہاتھوں

کی انگلیاں بلند کرتے ہوئے بولے۔

ہارنگ نے اگلی گیند کروائی تو بے ہار نے گیند کو بلی سیسٹ

لگائی اور رن لینے کے لیے دوڑتے ہوئے اپنے ساتھی بے ہار کو

پکارا: "بھاکو۔۔۔"

بچا تیز کام کچے شاید انہیں بھاگنے کے لیے کہا ہے، انہوں

نے آؤ دیکھا نہ بھا اور دوڑ پڑے۔

"بچا تیز کام! آپ کیوں دوڑ رہے ہیں؟ میں نے تو اپنے

ساتھی بے ہار کو دوڑنے کے لیے کہا تھا۔"

"دھت جیرے کی، ہم کچے تم نے ہمیں کہا ہے۔ ایسے ہی

ہماری دوڑ گواہی۔"

بچا تیز کام بھلا کر دائیں پلٹے۔ آخر خدا خدا کر کے پہلی ٹیم

کے بورڈ مکمل ہوئے اب دوسری ٹیم کو چند سٹ کے دھت

کے بعد کھیلنا تھا۔

"ہم سے نہیں ہوتی یہ اسپارنگ۔۔۔ بھلا یہ بھی کوئی کام ہے

بندہ بت کی طرح ایک جگہ کھڑا ہے۔" بچا تیز کام بھلا کر بولے۔

"تو پھر آپ ہمارے ساتھ کھیل لیں۔ ہمارا ایک کھلاڑی

وہی بھی فیلڈنگ کرتے ہوئے زخمی ہو گیا ہے۔" نعمان بولا۔

"آپ ماشاء اللہ تجربے کار کھلاڑی ہیں۔ چو کے بچکے لگائیں



تھے۔ تماشائی ایسے خاموش  
تھے جیسے انہیں ساپ  
سنگہ گیا ہو۔

باؤل نے اتنی تیزی کے  
ساتھ گیند پھینکی کہ بچہ کو  
نظر ہی نہیں آئی۔ یوں وہ  
گیند ضائع ہو گئی۔

”چھانڈو حیان سے نکھلیں۔“  
نعمان بولا۔

”نوحیان ہی سے تو نکھیل  
رہا ہوں اگر مجھے گیند ہی  
نظر نہ آئے تو میں کیا کر  
سکتا ہوں۔“

”بس اب ایک چٹکے کی  
ضرورت ہے۔“ نعمان



میم کے ہاتھ لڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ اس وقت پکتان ہی

وکت پر کھڑا ہوا تھا۔ چچا تیز کام چوں کہ دونوں طرف سے کھیل

رہے تھے۔ اس لیے پکتان کے ساتھ اب چچا تیز کام کو کھیلنا تھا۔

پکتان نے ایک اور میں ایک چوکا اور ایک چھکا لگایا۔ یوں اسکور

110 ہو گیا۔ کھیل کافی سنسنی خیز مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔

سب کی نظریں پکتان پر لگی ہوئی تھیں۔ کیوں کہ چچا تیز کام کے

بارے میں تو سب ہی جان چکے تھے کہ وہ کتنے ”ماہر کھلاڑی“

ہیں۔ آخری اور کی کھلی گیند پر پکتان نے ایک زور دار ہٹ

لگائی اور چوکا ہو گیا۔ اب بچے جیتنے کے لیے تین گیندوں پر

صرف چھ رنز کی ضرورت تھی۔ محمود کی ٹیم کا جوش و خروش

دیدنی تھا۔ باؤل نے جیسے ہی دوسری گیند کر دئی تو پکتان نے

تیزی سے ایک دن بنا لیا۔ اب بچا نے باؤل کا سامنا کرنا تھا۔

خوف کے بارے ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ باؤل جیسے

جیسے ان کی طرف بڑھ رہا تھا ان کے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا

تھا۔ پکتان کے کہنے کے باوجود وہ بغیر بیڈ اور ہیلمٹ کھیل رہے

”چھکا، لوے چھکا لگنا تو میرے ہاتھ کا کام ہے۔“

”اب آخری گیند پر ہمیں چھ رنز کی ضرورت ہے۔“

”اے صاحب ذہن تم فکر ہی نہ کرو، اب گیند میری

طرف آئے گی تو میں اس کا ایسا مشر کروں گا کہ اُسے پھٹلی کا

دودھ یاد آجائے گا۔“ چچا بولے۔

باؤل گیند کرانے کے لیے تیار تھا۔ وہ تیزی سے وکٹوں کی

طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے پوری قوت کے ساتھ گیند پھینکی تو

چچا تیز کام نے دیکھے بغیر کہ گیند کہہ کر سے اٹھا بلا کھما دیا۔ ایسا

کرتے ہوئے انہوں نے سر کو تیزی سے حرکت دی تھی۔ اُن

کے ایسا کرنے کی دیر تھی کہ گیند صدر ٹی کی ٹوٹی سے تیزی

سے ٹکراتے ہوئے ٹی کے سر کو لہو بہا کر گئی تھی۔ گیند گتے

کی دیر تھی کہ خون کا ایک فوارہ سر سے اُتل پڑا تھا۔ اچھا خون

دیکھ کر بچا بے ہوش ہو گئے اور وکت پر گرے ”چھکا، چھکا، چھکا“

☆ ☆ ☆

کاراگ لاپنے لگے تھے۔



ہے۔ مجسمہ کی ٹاک 4 فٹ 16 انچ لمبی ہے۔ جب کہ سیدھا ہڈو جس میں شمع ہے 42 فٹ لمبا ہے۔ منہ کی چوڑائی 3 فٹ ہے۔ یہ مجسمہ جس چھوترے پر رکھا ہے اس کی بلندی 65 فٹ ہے۔ اس مجسمہ کی چوڑی میں 60000 پاؤڈر کاغذ اور 250000 پاؤڈر اسٹیل استعمال ہوئی ہے۔ اس مجسمے کا نقش امریکی سکوں اور ڈاک ٹکٹوں پر بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مجسمہ آزادی کی نقل میں کئی چھوٹے مجسمے بھی دوسری امریکی ریاستوں میں بھی نصب کیے گئے ہیں۔

پیپیتہ

خوش ذائقہ، طبی فوائد سمیٹے بیوتہ (Papaya) ایک فرحت بخش پھل ہے۔ اس پودے کا سائنسی نام (Carica Papaya) ہے اس کا تعلق (Caricaceae) خاندان سے ہے۔ یہ ایک سیدھے سے سٹے پر مشتمل 5 سے 10 میٹر لمبا درخت ہے جس کا بنیادی تعلق امریکہ سے ہے۔ اس کے پتے 50 سے 70 سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ پھولوں کی لمبائی 14 سے 45 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ بیوتہ ایک بزرگ پھل ہے جس کی عمر بہت چھوڑی ہے۔ یہ پھل بیوتہ کے امراض میں آکسیر کی حیثیت رکھتا



ہے۔ خوش ذائقہ و شیریں بیوتہ کاروبار ہائیز، پکھلی، پروٹین، وٹامن اے، بی اور سی کا خزانہ ہے۔ علاوہ ازیں اس پھل میں کیلشیم، لوہہ، منیگیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم اور سوڈیم بھی موجود ہوتا ہے۔ بیوتہ سے ایک کریم بھی تیار کی جاتی ہے جسے Papain Ointment کہتے ہیں۔ یہ کریم زخموں، کئی کچھ جلد، کیزوں کے کاٹے اور جھلے ہوئے اعضاء پر لگائی جاتی ہے۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی خواتین اس کے برے پھل سے گوشت



مجسمہ آزادی

ہر سال امریکہ کا یوم آزادی 4 جولائی کو منایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تمام ممالک میں امریکی سفارت خانے امریکی پرچم لہراتے ہیں۔ امریکہ کی 100 ویں سالگرہ پر دل فراس نے ایک تختہ امریکی عوام کو دیا تھا۔ جو ایک مجسمہ تھا جسے آج امریکہ کا مجسمہ آزادی یا Statue Of Liberty کہا جاتا ہے۔ یہ مجسمہ فرانس کے ماہر نے بنایا جس کا نام Frederic A. Bartholdi تھا۔ یہ مجسمہ آزادی 28 اکتوبر 1886ء کو مکمل ہوا اس مجسمہ کے

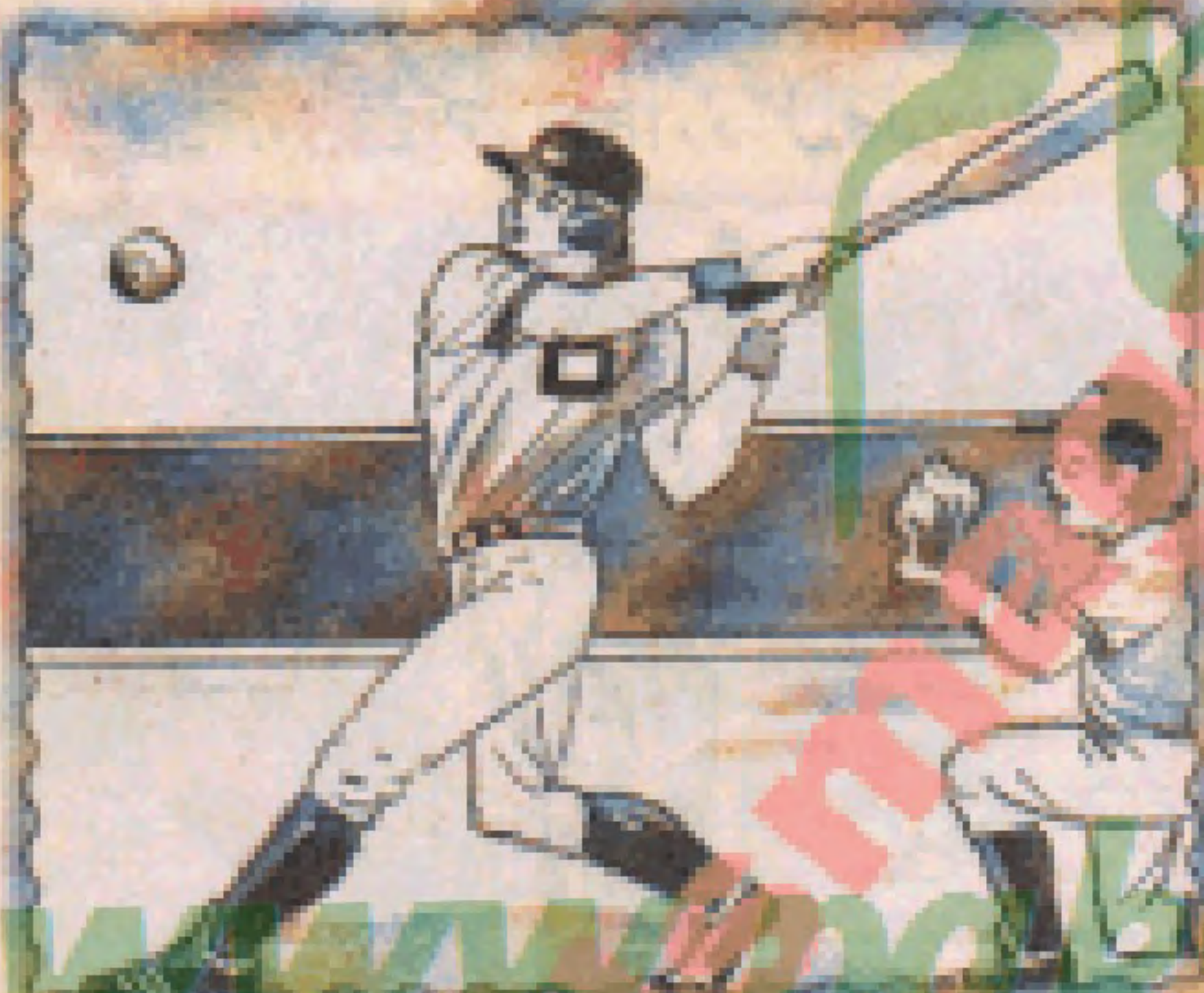


پاؤں میں ایک لوہی زنجیر دکھائی گئی ہے جو اس بات کی مظہر ہے کہ ظلمت کی تاریکی ختم ہوئی اور آزادی کا سورج طلوع ہوا ہے۔ یہ مجسمہ ہالائی نیویارک بے (Upper New York Bay) پر نصب ہے۔ جو ایک چھوترے پر رکھا گیا ہے۔ یہ دھاتی مجسمہ ہے جس کے ہاتھ میں ایک روشن شمع ہے۔ اپنی بنیاد سے شمع تک کی بلندی 305 فٹ اور ایک انچ ہے۔ ہڈو کی لمبائی 16 فٹ 5 انچ، سر کی موٹائی 10 فٹ اور آنکھوں کا درمیانی فاصلہ 2 فٹ 6 انچ



## تیس ہال

تیس ہال ایک ریٹ اور ایک گیند کا کھیل ہے۔ جو دو ٹیموں کے درمیان میچ کی صورت میں کھیلا جاتا ہے۔ ہر ٹیم 9 کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر ٹیم کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسکور کرے۔ ایک ٹیم 19 گز پر مشتمل ہوتی ہے۔ اصولاً مہمان ٹیم پہلے باری لیتی ہے اور میزبان ٹیم بعد میں کھیلتی ہے۔ تیس ہال کا پہلا باضابطہ میچ 19 جون 1846ء کو نیو جرسی میں کھیلا گیا۔ 1992ء میں یہ اوپنکس میں بھی شامل کیا گیا تھا۔ تیس ہال میں استعمال ہونے والی گیند ریٹ کی ہوتی ہے جس کے اندر کارک بھرا ہوتا ہے۔ پلڑے کی تہ اوپر سے سلائی کر دی جاتی ہے۔ ریٹ ایک ہموار گزری یا دھات کا بنا ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی 42 انچ اور وزن تک بھگ ایک کلو گرام کے برابر ہوتا ہے۔ بے باز بے کی مدد سے گیند کو ہٹ دیتا ہے۔ گیند پکڑنے کے لیے دستاں استعمال ہوتے ہیں تاکہ بے باز کی جانب سے باری



کی ہٹ کو با آسانی پکڑا جا سکے۔ تیس ہال امریکہ کا قومی کھیل ہے۔ پاکستان میں بھی یہ کھیل مقبول ہو رہا ہے۔ پاکستان ایشیاء میں 5 ویں اور عالمی کپ پر 25 ویں نمبر پر ہے۔ اپریل 2011ء میں پاکستان نے سری لنکا کو فائنل میں شکست دے کر سارک ممالک میں پہلے تیس ہال چیمپئن بننے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ امریکہ، جاپان اور کوبا کی ٹیموں کو تیس ہال کی بھرتی ٹیموں میں شہر کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

گھانے کا کام بھی لیتی ہیں۔ اس پھل کے گودے میں ایک کیمیائی مرکب پلا جاتا ہے جسے Carpain کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کو دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔

## گدھا

گدھے کو انگلش میں Ass یا Donkey بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سائنسی نام "Equus Africanus Asianus" ہے، جس کا تعلق "Equidae" خاندان سے ہے۔ یہ دو دو پائے والا ممالیہ جانور ہے۔ گدھے کو "Jack" اور مادہ گدھے کو "Jenny" کہا جاتا ہے۔ جب کہ گدھے کے نر بچے کو (ایک سال کی عمر والا) "Colt" اور مادہ بچے کو "Filly" بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے تک بھگ 3500 سال قبل انسان نے گدھا پالنا شروع کیا تھا۔ گدھا 36 سے 58 انچ تک اونچا ہوتا ہے۔ ایک گدھے کی اوسط عمر 30 سے 50 سال ہوتی ہے۔ گدھے کے کان گھولے کی نسبت بڑے ہوتے ہیں۔



وہ ہے کہ گدھے کی قوتِ سماعت گھولے سے زیادہ تیز ہے اور اس کے لیے کان اسے غلط ک بھی سمیٹا کرتے ہیں۔ شام کے دارالحکومت دمشق میں 1900 لگی سیکڑیں گدھے پائے جاتے تھے کہ اس شہر کو گدھوں کا شہر (City Of Asses) کہا جاتا تھا۔ گدھے اپنی ہمت و عضلاتی مضبوطی کی وجہ سے دنیا بھر میں ہاریرواری اور سواری کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ امریکہ کی ایک سیاسی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی کا انتخابی نشان بھی گدھا ہے۔





تجربہ  
سکریپت

روا

ہم "وفا" دیکھ لو۔

وفا "میں نے" اور "میں سے" کے ہیں کی پہلی ہے اور "میں سے"۔

وفا "میں نے" اور "میں سے" کے ہیں کی پہلی ہے اور "میں سے"۔





## وقت کی قدر

چوٹیوں نے جمع کیا تھا  
بھیک گیا ایک دن بارش سے  
دھوپ میں آئی تھیں وہ کھانے  
اک ٹکڑے نے دور سے دیکھا  
گرتے پڑتے، ڈرتے ڈرتے  
بھوک اور سردی کا مارا ہوں

رجم کرو، میں مر جاؤں گا  
میری بُری حالت ہے، دیکھو  
چوٹیوں نے یہ سن کر پولیس  
کیا کرتا تھا گرمیوں میں کو  
ٹھا بولا "اُس موسم میں  
میرے دل کا حال نہ پوچھو

بھڑوں کے سائے میں بیٹھا  
سارا دن گاتا تھا میں تو

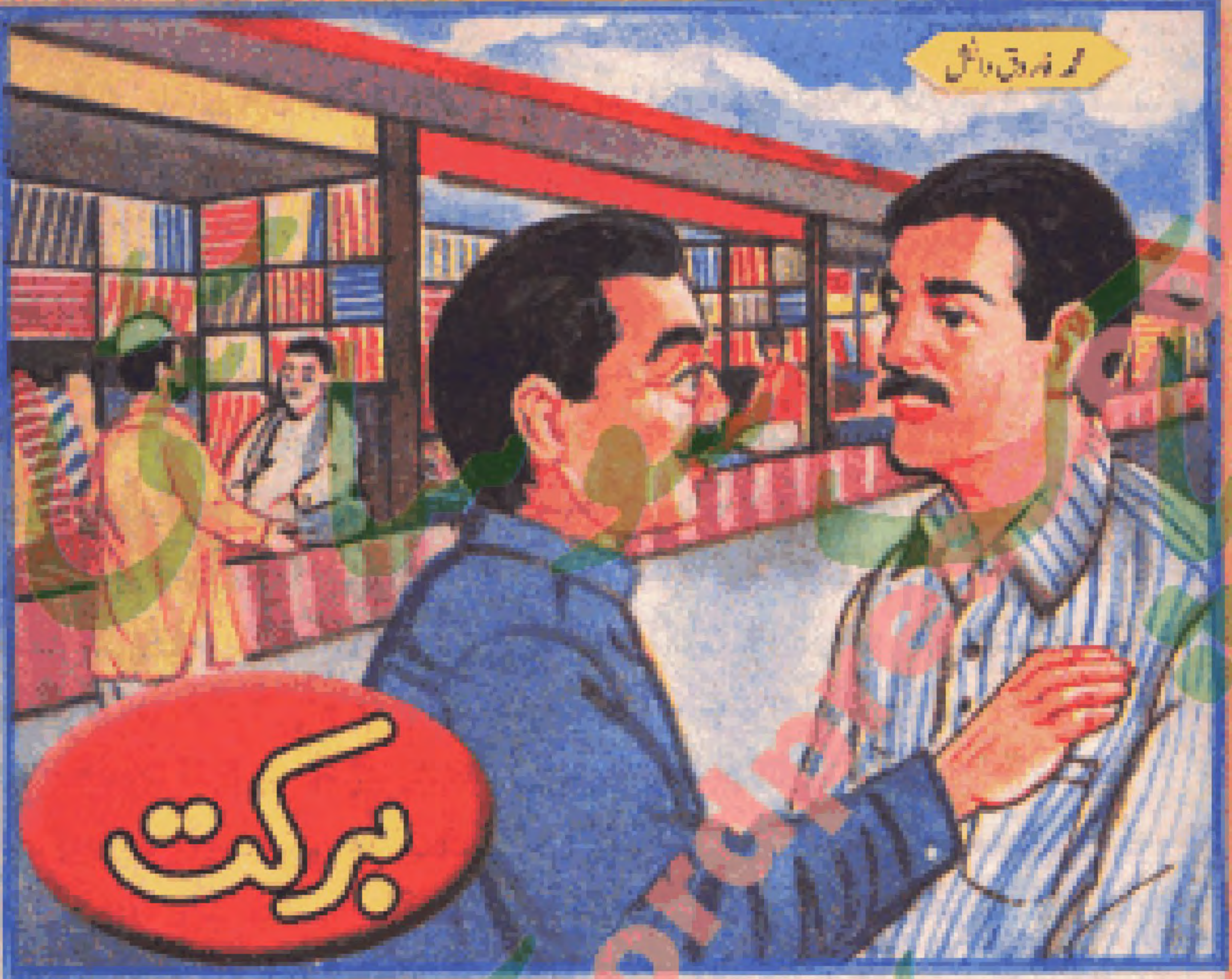
چوٹیوں نے ہنس کے کہا اب  
گرمیوں میں تو گانا گایا  
"بات ہماری بسا سن لو  
سردیوں میں اب بھوکے تاجو"

وقت کو جو ضائع کرتے ہیں  
کس کو اُن سے امدادی ہو

قیوم نظر



سالوں سے اس  
دکان پر ایک  
حققی ٹنگ رہی  
تھی جس پر  
بڑے واضح  
لفظوں میں  
”ایک دام، واحد  
کلام“ لکھا ہوا  
تھا۔ سینہ کی  
دکان پر آنے  
والے تمام  
گاہکوں کو علم تھا  
کہ دکان کے  
کسی بھی سٹل



برکت

میں نے جو دام جس کپڑے کے بتا دیئے، وہ حققی ہیں، اس میں  
کسی بھی قسم کا رد و بدل کسی طور ممکن نہیں۔

برکت صاحب اس اصول پر ہمیشہ سے کڑ بند تھے اور یہ  
اصول صرف گاہکوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ان کے دوستوں،  
رشتے داروں حتیٰ کہ ان کے اپنے بھائی بیٹوں کے لیے بھی تھا۔  
جو دام وہ جس کپڑے کے لیے ایک پارٹے کر دیتے، وہ پھر پر  
نکیر ہو جاتا اور اس میں کوئی بھی تبدیلی نہ کرا سکتا تھا۔ گاہکوں کو  
اس بات کا بھی علم تھا کہ برکت کا تھ ہاؤس پر دوسری دکانوں  
کی نسبت کچھ زیادہ بھی ہوتا ہے اس لیے باوجود وہ اسی دکان سے  
خریداری کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں علم تھا کہ  
اس دکان پر انہیں ورائٹی اور معیار بہتر ملتا ہے۔ سینہ دام کے  
مطابق شے بھی اچھی اور تسلی بخش دیتا تھا۔

ملازمین کے حوالے سے بھی اس کا اپنا اصول تھا اور اس  
کے لیے بھی ایک حققی وہاں آدمیاں تھی کہ یہاں ملازمین کو  
روزانہ اجرت دی جاتی ہے۔ اس نے اپنے ہر ملازم کا روزانہ کا  
معاوضہ ملے کر رکھا تھا اور اس کے مطابق وہ انہیں ہوائی کیا

”پار سرہا تم اس طرف کیوں جا رہے ہو، ہر صبح“ جان  
خریداری اس دکان سے کرتے ہیں۔“  
اچھڑنے آئے پھر کر ایک دکان کی جانب کرتے ہوئے کہا  
جب کہ سرہا دوسری طرف جانا چاہتا تھا۔

”مرے بھائی! بھائی جان کے دوست کی دکان اس طرف  
ہے، وہاں چلتے ہیں، وہ ذرا دام میں رعایت کریں گے۔“  
اچھڑنے آئے اس دکان کی غویں گنوا کر آئے وہیں سے

خریداری کر دیا چارہ تھا۔  
وہ دکان کیا تھی گویا سونے کی ایک کان تھی۔ یہاں ہر وقت  
گاہکوں کا ہجوم آتے۔ برکت کی دیگر دکانوں سے منفرد اور ممتاز  
تھاتا تھا۔ سینہ برکت کپڑے کی تہارت کی سالوں سے کر رہے  
تھے۔ کپڑے کی کئی دکانیں اس کے ساتھ ہی موجود تھیں، لیکن  
جو رش ان کی دکان میں دیکھنے میں آتا تھا وہ کسی اور دکان  
پر نہیں ہوتا تھا۔

سینہ برکت کی دکان کی ایک اور انفرادیت یہ بھی تھی کہ  
برکت ہاؤس پر کسی قسم کا کوئی بھڑکاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔ کئی





کر تا تھا۔ اگر کوئی ملازم مہینے میں چار دن چھٹی کرتا تو اسے ان چار دنوں کی کوئی اجرت نہیں ملتی تھی۔ اسی طرح اگر وہ چھ گھنٹے سیزن کے دنوں میں ملازمین سے زیادہ کام کرتا تو اس کے ملازمین انہیں ادا نہیں کیا کرتا تھا۔ ملازمین کو اس معاملے میں اس کی یہ سخت گہری جیب تو لگتی تھی لیکن انہیں یہ بات ابھی بھی لگتی تھی کہ ان کا مالک ان کی بننے والی اجرت کو روکتا نہیں تھا۔ ان دنوں شروع میں ملازمین چل رہا تھا اور لوگوں کا ایک جم بغیر اس کی دکان پر جمع رہتا تھا۔ سیزن گاہکوں کو نکالتے نہتے تھک جاتے تھے، لیکن رش تھا کہ کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ سیمپلہ برکت اپنے گاؤں کے دلی سیٹ پر بیٹھا گاہکوں سے رقم لینے اور گھنٹے میں مصروف رہتا تھا۔ وہ پہلے سے پہلے جو رقم جمع ہو جاتی وہ اسے فوری طور پر ایک بنگ کی برائچ میں جمع کرادیا جاتا۔ یہی رقم اس کو اپنی دکان کے لیے مزید مال منگوانے کے لیے آن لائن اور دیگر ذرائع سے بھیجنے کے کام آتی تھی۔ وہ اپنی کامیابی پر شاد رہتا اور اللہ کا شکر بجالاتا۔ اس کی کامیابی نے اس کے لیے حاسد بھی پیدا کر دیئے تھے۔ وہ آتے جاتے گزرتے ہوئے اس کی دکان میں موجود رش دیکھتے اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتے۔ بعض دکان دار جب کئی کئی گھنٹے فارغ ہوتے تو اپنے ملازم کو اشارہ کر کے برکت کا چھوٹا چکر گھومتے اور معلومات حاصل کرتے کہ وہاں کیا پوزیشن ہے؟ اور جب انہیں خبر ملتی کہ وہاں تو گاہک اُٹھ رہے ہیں تو وہ اپنی ہانکی پر بھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی اپنی قسمت پر افسوس کرتے۔

یہ بات سیمپلہ برکت کے لیے کسی حیرت سے کم نہ تھی کہ وہ چار دنوں سے اس کی دکان پر رش میں کچھ کی آنا شروع ہو گئی تھی۔ ایک دو دن تو اس نے محسوس نہ کیا لیکن سیزن ہوتے ہوئے جب وہ چار دن اور بھی اس کے گاہکوں میں یہ تدریج کی آتی گئی تو وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی حیرت اس وقت اور بڑھی جب اس نے اپنے ایک مستقل گاہک کو دکان کے پاس سے گزرنا دیکھ کر سلام کیا تو وہ ہاتھ ہلا کر آگے نکل گیا اور کچھ

دور آگے ایک اور کپڑے کی دکان میں داخل ہو گیا۔ برکت کے لیے یہ بات کسی الجھنے سے کم نہ تھی کہ ایک پرانا گاہک یوں اس کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ کوئی وجہ تو ہو گی۔ اس کے دل و دماغ پر گہری سوچوں نے قبضہ کر لیا۔ وہ دکان سے گھر گیا تو رات اسے نیند نہ آئی۔ اس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر اس نفع میں ایسا کیا ہوا ہے کہ اچانک ہی اس کے گاہک ایک ایک کر کے اس سے دور ہوتے چلے گئے تھے؟ اس کے دماغ میں کوئی حل نہیں آ رہا تھا نیند اس سے کوسوں دور تھی۔

”کیا بات ہے برکت! کیوں پریشان ہو؟“ اس کی بیوی نے اسے پریشانی سے غلام میں گھورتے دیکھ کر سوال کیا۔

”میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا جس سے اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہوں۔“ اس نے اپنی پریشانی سے اپنی بیوی کو آگاہ کیا۔ وہ بھی کچھ دیر تشویش میں مبتلا ہوئی، لیکن جلد ہی اپنے شوہر کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

”کئی باتوں کو دل پر نہ لو۔ یہ ہمارے لیے آزمائش بھی تو ہو سکتی ہے۔“

”آزمائش...“ اس نے ایک ہنگامہ بھر کر کہا۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اگلی صبح بھی دکان کی حالت ویسی ہی رہی۔ اگلے دو تین دنوں میں معاملہ اور خراب ہوا تو اس پریشانی نے سیمپلہ برکت کا ہڈ پر پٹر بڑھا دیا۔ لیکن اس نے اسے ڈاکٹروں کے پاس پہنچا دیا۔ علاج سے وہ ٹھیک ہونے لگا۔ اسے ستر سے لگ کر رہ گیا۔ کئی سالوں سے جسد کی تعطیل کے علاوہ اس نے دکان سے کوئی ہاتھ نہیں کیا تھا۔ اب پچھلے چار دنوں سے وہ گھر میں پڑا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے آرام کا مشورہ دے کر سکون آور بوہیات دی تھیں۔ آرام کی حالت میں بھی اس کے دماغ نے سوچنا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں دکان کے سب سے پرانے ملازم دھار بھائی دکان کے معاملات چلا رہے تھے۔ کیش کی تحصیل اور سیل رچرٹ بنانے کے لیے رات کو دھار صاحب گھر



روٹی کے بدلے

ایک عورت نے ایک روٹی سائیک کو بلا کر وہی اور دوسری روٹی اپنے خاوند کے لیے کھیت پر لے چلی، اس کے بعد اس کا بچہ بھی تھا، اس کا شوہر بہت زور کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ راستے میں ایک اپارٹمنٹ پر ایک بھیلر بیٹے نے سڑک پر حملہ کر دیا اور اسے دبوچ لیا۔ اس وقت ایک ہاتھ خوردار ہوا جس نے بھیلرے کا گلا پکڑ لیا اور بچے کو چھین کر عورت کے حوالے کر دیا پھر عورت کو آواز سنائی دی۔

”جاہم نے اس غیرت کی گئی روٹی کے عوض اس بھیلرے کا لقمہ چھین کر حیرے حوالے کر دیا ہے۔“ (محمد زبیر مرشد، ملتان)

میں سوٹ نہیں سات میٹر کے بجائے پونے سات میٹر کپڑا لگا  
تھا۔ میں نے اپنی مہارت سے وہ تمام سوٹ بیچ دیئے ہیں اور رقم  
بھی پورے سات میٹر کی لی ہے۔"

”سیٹھ صاحب! وہ میں نے تو آپ کو قاکندہ پہنچایا ہے۔“  
 ”توہ میں نے بھی۔۔۔ دکان کے وسیع تر علاقہ میں بہت  
 سارے دانے سوٹ نہیں نکالیں جن کے بل میں ملا کر بیچ دیئے ہیں۔“  
 ”آخر سبز میں شب بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔“ ارسلان  
 نے مسکرا کر کہا۔

تم لوگ اسے فائدہ کہتے ہو۔ وہ چارنی کے پادجوڑ چلا اٹھا۔  
”پچھلے پچاس سالوں سے میں نے اس دکان کا نام اور معیار بتایا  
تھا۔“ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ ”میں معمولی سے عیب والے کپڑے  
کو ہی کلاس میں ڈالوا کرتا ہوں۔“

”جی۔۔۔ سب ایک رنگ کے۔۔۔“

”میرے گاہک مجھ پر اعتماد کرتے ہیں، کیوں کہ میں غلط سودا فروخت نہیں کرتا۔ تم نے میرے گھر سے سودے میں بے ایمانی کی ملاوٹ کر کے میری دکان کی برکت ختم کر دی ہے۔“ اس نے جذباتی ہو کر دونوں کی طرف سے رخ پھیر لیا۔

”کو تھرا بھائی! ان دونوں کا حساب کر دو، ہمیں ایسا کوئی فائدہ نہیں چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کا سبب بنے، برکت اسی جگہ ہوتی ہے جہاں ایمان داری ہوتی ہے۔“

آنے لگے۔ اس کی پیٹم نے تو انہیں ملاقات سے روکنا چاہا لیکن سینہ برکت کی ضد تھی کہ اُسے دکان کی رپورٹ ضرور ملنی چاہیے۔ ایک ہفتے تک وہ باوجود کوشش کے دکان پر نہ جاسکا اور اس کے کاروبار کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ کسی نے اُسے کچھ اور کسی نے کچھ کہا، لیکن سینہ برکت کسی وہم یا فیر مرنی مخلوق کی ان جہلی طاقت کو ماننے والا نہ تھا۔ اُسے اللہ کی حاکمیت پر کامل یقینی تھا۔ وہ اب اس کھوئی میں لگا ہوا تھا کہ ایسا کیا کام ہوا ہے جس سے دکان کی یہ حالت ہوئی ہے۔

شام کے وقت ایک بات اس کی سمجھ میں آئی تو وہ نکال  
بند ہونے سے قبل وہاں پہنچا۔

ذکران کے پانچوں ملازمین اس کے سامنے موجود تھے آج دو  
معاہدے کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ان پانچ میں دو تو کافی سیکر  
ملازم تھے جب کہ تین افریقائی تھے۔

”میری بات غور سے سنو اور خوب سوچی سمجھ کر جواب دو۔“ اس نے ملازمین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔  
”جی۔۔۔۔۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
”اس دکان میں کاروباری معاملات میں کوئی ایسا کام ہو رہا ہے جو میری مرضی کے خلاف ہے۔“

”نہیں۔۔۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں ہو رہا۔“ سعید بھائی بولے۔  
 ”تم تیوں کیا کہتے ہو؟“ اس نے گھور کر ان کی طرف  
 دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم تو آپ کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔“  
 وہ بڑے لڑکے چٹک کر بولے۔

”میرا تم نیچے میاں۔“ اس نے انجم کی طرف دیکھتے ہوئے  
کہا۔ ”کوئی ایسا عمل۔۔۔ جو ہمارے اصولوں کے خلاف ہو۔۔۔“

"ایسا کی۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہے۔"

”یار کرو، گاہکوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرو۔“

”نہیں تو..... ہاں وہ ایک کام.....“

"یہاں سے"

”تو مجھے پہلے گورہ سے ایک ایسی اٹل تھی، جس



# قلم

ہیاں ہو کیا بھلا عظمت قلم کی  
 ہے لازم دوستو عزت قلم کی  
 کتابت کا ہنر ہم کو سکھانے  
 قلم تخلیق فرمایا خدا نے  
 کرم پھر قلم نے یہ دکھایا  
 کلام حق ہمیں لکھنا سکھایا  
 ہمیشہ سچ ہی لکھتا تم قلم سے  
 پھلو پھولو گے تم اس کے کرم سے  
 جہاں میں گر وجود ہوتا ہے اس کا  
 کتابیں پھر ہماری کون لکھتا  
 اسی کی ہیں بہاریں مدرسوں میں  
 دکانوں ، کارخانوں ، دفاتروں میں  
 نیا بے حد یہ احساں ہے قلم کا  
 یہ احساں بھی نمایاں ہے قلم کا

ضیاء الحسن ضیاء



کھیل مار کھلاڑی

ہر دل عزیز آل راؤ ظفر

# شاہد خاں آفریدی



سری شاہین

تھی۔ کیا وہ بہن بھائیوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے۔ شاہد آفریدی کے والد ولی ہال کھیلا کرتے تھے کرکٹ کے کھیل سے انہیں سخت قربت تھی۔ جب شاہد آفریدی نے کرکٹ کھیلا شروع کی تو والد کے ہاتھوں ان کی خوب پٹائی ہوا کرتی تھی۔ والد انہیں ڈکڑیاں لگھتر دیتا چاہتے تھے جب کہ شاہد آفریدی کی خواہش فوج میں جانے کی تھی۔ شاہد آفریدی نے کرکٹ کی ابتدا گلیوں میں کھیل کر کی، ان کی رہائش کراچی کے علاقے فیڈرل بی ایریا بلاک 16 میں تھی اور وہ اس وقت ابراہیم علی بھائی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ وہ ان تعلیم انہوں نے کرکٹ کے علاوہ دیگر کھیلوں میں بھی حصہ لیا۔ وہ بہترین ایتھلیٹ تھے۔ ہائی جپ اور لانگ جپ میں بھی ان کی پہلی پوزیشن آتی تھی۔ بچپن میں شاہد آفریدی کھیلوں کے دہانے تھے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے، انہوں نے قرآن پاک کیدہ سال کی عمر میں ختم کر لیا تھا۔

کوہاٹ میں پیدا ہونے والے شاہد آفریدی نے آٹھ نو سال کی عمر میں کرکٹ کھیلا شروع کی۔ 14 سال کی عمر میں

دنیا بے کرکٹ کے بہترین آل راؤ ظفر شاہد خاں آفریدی یکم مارچ 1980ء کو خیبر ایجنسی کے علاقے دہلی تیرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق خیبر ایجنسی کے علاقے دہلی تیرہ سے ہے۔ شاہد آفریدی کے پردادا جی آف بھوان ولی اللہ تھے۔ ان کی رحلت کے بعد شاہد کے دوا جی آف بھوان کی گدی پر بیٹھے تھے۔ ان کی قوم گجر خیل جب کہ آفریدی ان کے قبیلے کا نام ہے۔ اس قبیلے کی بارہ شاخیں ہیں۔ شاہد آفریدی کے دوا جی بھوانی بہت بڑے سردار تھے۔ وہ جرگے میں فیصلے کیا کرتے تھے انہوں نے کی جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ مگر یہ بھی ان کے قبیلے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کا قبیلہ تمام معاملات میں اسلامی قوانین پر سختی سے عمل پیرا ہوتا اور یہی اس کی پہچان تھی۔

شاہد آفریدی کے والد صاحب زاہد فضل الرحمن آفریدی کاروبار کے سلسلے میں 1967ء میں کراچی آ گئے تھے۔ وہ کاروں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ 1981ء میں انہوں نے اپنی فیملی کو کراچی بلا لیا۔ اس وقت شاہد آفریدی کی عمر تقریباً ایک سال





قائد اعظم ٹرافی کرکٹ ٹیمیں شپ کے لیے کراچی کرکٹ ٹیم میں منتخب ہوئے۔ 1998ء میں قومی انڈر 19 کرکٹ ٹیمیں شپ میں کراچی کی جانب سے عمدہ کارکردگی پیش کر کے 42 وکٹیں حاصل کرنے کی وجہ سے شاہد آفریدی کو ویسٹ انڈیز کے دورے کے لیے پاکستان کی انڈر 19 کرکٹ ٹیم میں منتخب کر لیا گیا۔ جب ٹیم کا سلیکشن ہو رہا تھا تو سلیکٹر ہارون

رشید تھے جو کہ بعد میں اس ٹیم کے کوچ بھی بنے۔ وہ شاہد آفریدی کے کھیل سے بہت متاثر تھے۔ اس سے قبل شاہد آفریدی نے آسٹریلیا کی آئیڈی کے خلاف بھی کھیلا تھا اور پھر انگلینڈ کی اس ٹیم کے خلاف بھی ان کی

کارکردگی خاصی متاثر رہی تھی اس وجہ سے ویسٹ انڈیز کے دورے پر جانے والی جو ٹیم میں جگہ بنائی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے انڈر 19 کرکٹ ٹیم میں بہت اچھی کارکردگی دکھائی تھی اور اپنے ہم عمر کھلاڑیوں میں سب سے اچھے لیگ اسپنر تھے جس کی وجہ سے شاہد آفریدی کو مسلسل مواقع مل رہے تھے۔ ویسٹ انڈیز کے دورے پر چار میچوں میں مجموعی طور پر 24 وکٹیں حاصل کیں اور ایک سائیڈ میچ میں نصف سنچری اسکور کی تھی۔ ویسٹ انڈیز میں ہی انہیں خوش خبری ملی

کہ پاکستانی ٹیم میں انہیں شامل کر لیا گیا ہے۔ پہلی مرحلہ قومی کرکٹ ٹیم میں شاہد آفریدی کو یہ حیثیت لیگ اسپنر شامل کیا گیا تھا۔ کینیا کے چار ٹکی ٹورنامنٹ میں لیگ اسپنر مشتاق احمد کے ان فٹ ہو جانے کی وجہ سے شاہد آفریدی کو ہنگامی بنیادوں پر پاکستان کرکٹ ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔

2 اکتوبر 1998ء کو شاہد آفریدی نے کینیا کے خلاف اپنے

کیریئر کا پہلا ایک روزہ انٹرنیشنل میچ کھیلا۔ جس میں ان کی بیٹنگ نہیں آئی۔ 4 اکتوبر کو سری لنکا کے خلاف اپنے کیریئر کے دوسرے ہی ایک روزہ انٹرنیشنل میچ میں جو کہ نیروہی میں کھیلا گیا تھا شاہد آفریدی نے اپنی دھواں دھار اور صرف 37 گیندوں پر 11 چھکوں اور 6



چوکوں کی مدد سے 106 رنز سکور کر کے دنیا بھر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی اور تیز ترین سنچری بنا کر ورلڈ ریکارڈ قائم کر کے اپنا نام شہرت کے آسمان پر کھوا لیا۔ اس سے پہلے یہ ریکارڈ سری لنکا کے بے سودیا کے پاس تھا جو انہوں نے پاکستان کے خلاف بنایا تھا۔ آفریدی نے ان کا ریکارڈ توڑ کر دنیا کو حیران کر دیا۔ البتہ ایک گیند کے فرق سے بے سودیا کی تیز ترین نصف سنچری 17 گیندوں پر حالیہ ریکارڈ توڑ کے کیوں کہ آفریدی نے 18 گیندوں پر ففٹی بنائی تھی، لیکن ایک ورلڈ ریکارڈ کے



مانگ ضرور بن گئے۔ یہ ایک روزہ کرکٹ میں سب سے کم عمری میں بنائی جانے والی پختری بھی تھی۔ اس وقت یعنی 4 اکتوبر 1996ء میں آفریدی کی عمر 16 سال اور 217 دن تھی۔ اس انٹرنیشنل گیارہ طوفانی چھکے بھی شامل تھے۔ اسی سال 167 دن تک جب سب سے سوراہانے صرف 48 گیندوں پر پختری اسکور کی تھی تو اکثریت کا خیال تھا کہ اس ریکارڈ کو ایک عرصہ تک نہ توڑا جائے گا۔ مگر شاہد آفریدی نے سری لنکا کے خلاف ہی اس ریکارڈ کو فلک یوں شمس سے پختا چور کر دیا۔ اہل پاکستان کے لیے یہ فخر کی بات ہے۔ اس انٹرنیشنل سے پاکستان کو فتح حاصل کرنے اور فائنل میں کھیلنے کا موقع ملا۔ انہوں نے 200 سے زائد چھکے لگا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ آج وہ بھی کھیلی جانے والے 102 روز کی انٹرنیشنل بہت یادگار ہے جس میں آفریدی نے 9 زور دار چھکے لگائے اور اسی میچ میں شہرہ آفاق کپتینز اور سابق بھارتی آل راؤنڈر دھونی شاستری نے انہیں موسم بوم آفریدی کے خطاب سے نوازا۔ جو کہ نہ صرف آفریدی بلکہ ان کے مداحوں کے لیے بھی ایک اعزاز ہے۔ اپنے کیریئر کے ابتدائی دو ڈھائی برسوں کے دوران شاہد آفریدی پاکستان کی جانب سے 70 کے قریب ایک روزہ بین الاقوامی میچ کھیل چکے تھے، لیکن انہیں کسی ٹیسٹ میچ میں پاکستان کی نمائندگی کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ بھی ایک ورلڈ ریکارڈ ہے کیوں کہ آج تک دنیا کا کوئی بھی کرکٹر بغیر کوئی ٹیسٹ میچ کھیلے اسے زیادہ دن ڈے انٹرنیشنل میچ نہیں کھیلا تھا۔ بعد ازاں انہیں 2004ء میں ٹیسٹ میچ کھیلنے کا موقع ملا۔ 2003ء کے عالمی کپ میں پھر نوٹنی نوٹنی ورلڈ کپ 2007ء کے عالمی کپ میں بھارت کے ہاتھوں شکست، ویسٹ انڈیز میں کھیلے گئے عالمی کپ 2007ء میں آئرلینڈ کی ٹیم سے شکست شاہد آفریدی کے کیریئر کے ہاتھوں گوارہ واقعات ہیں۔

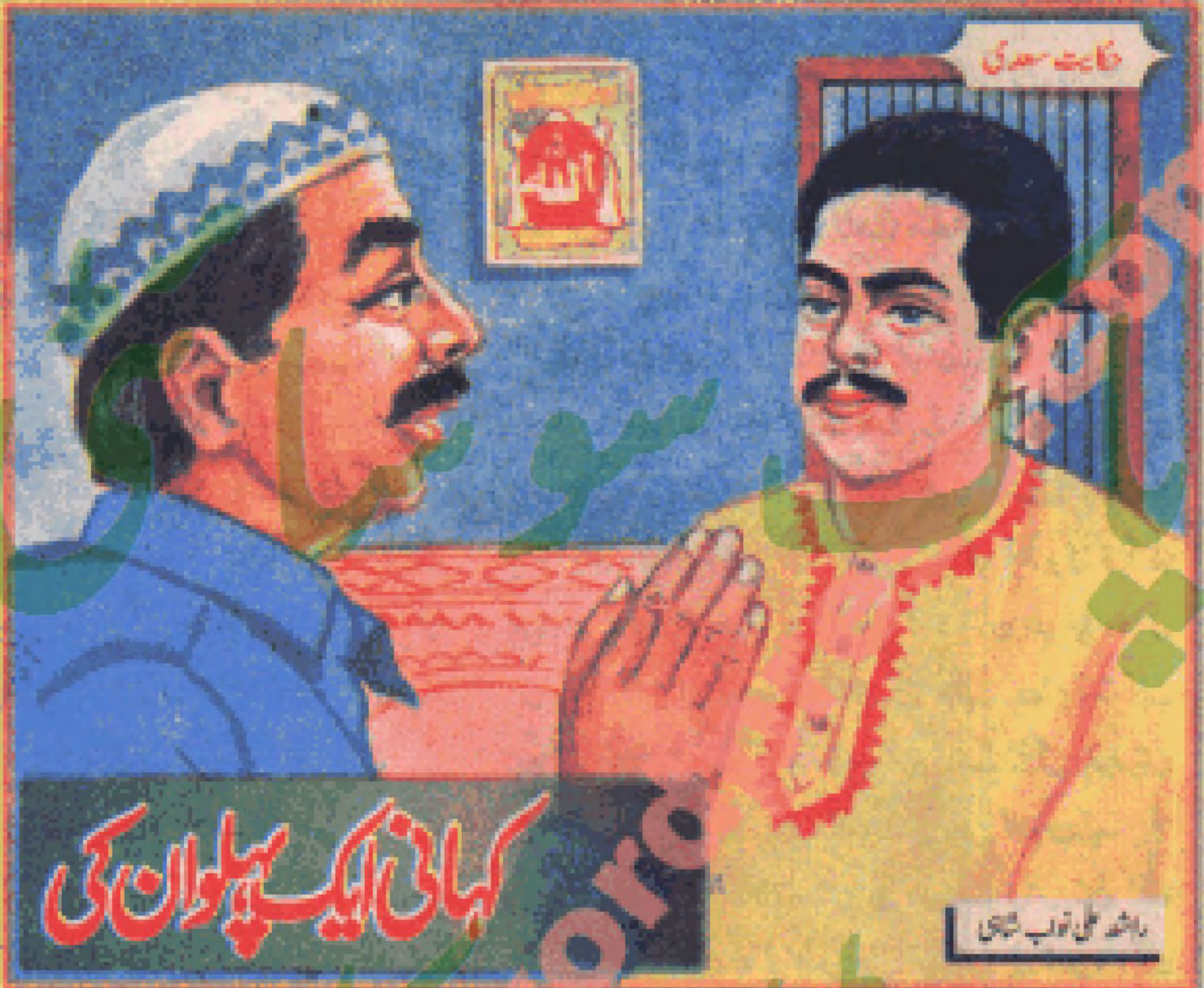
2010ء میں آسٹریلیا کے دورے پر محمد یوسف کی عدم موجودگی میں پرتھ میں کھیلے جانے والے آخری دن ڈے میچ میں پاکستان ٹیم کی قیادت شاہد آفریدی کو کرتے ہوئے کا موقع ملا تو

اس دوران انہوں نے جذبات میں آکر گیند کو چھلایا، جس پر انہیں آئی سی سی نے دو میچوں کے لیے بین کر دیا تھا۔ اپنی اس لگاتار حرکت پر پوری قوم سے انہوں نے معافی مانگی بعد ازاں پاکستان کرکٹ بورڈ کی انکوائری کمیٹی نے آسٹریلیا کے خلاف شکست کی وجوہات تلاش کرنے کی غرض سے جو رپورٹ دی اس کی روشنی میں پاکستان کرکٹ بورڈ نے شاہد آفریدی کو تین لاکھ روپے کا جرمانہ کیا، لیکن اس کے بعد 23 مارچ 2010ء کو پاکستان کرکٹ بورڈ کی جانب سے ایک بار پھر آفریدی کو نوٹنی نوٹنی اور دن ڈے انٹرنیشنل کرکٹ ٹیم کا کپتان بنایا گیا اور اسی دن شاہد آفریدی کو صدر پاکستان کی جانب سے پرائز آف پرفارمنس کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ شاہد آفریدی بنے مشکل وقت میں ٹیم کی قیادت سنبھالی اور ٹیم کو فتوحات کی راہ پر گامزن کیا۔

آفریدی نے 2009ء میں گوردوں کے دیس میں کھیلے جانے والے دوسرے نوٹنی نوٹنی ورلڈ کپ میں اپنی شاندار آل راؤنڈ کارکردگی سے پاکستان کو ورلڈ چیمپئن بنوانے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ گزشتہ دنوں پی سی بی نے شاہد آفریدی کو میڈیا میں غیر ذمہ دارانہ بیانات دینے کی پاداش میں پکتانی سے ہٹا دیا۔ دوسری جانب شاہد آفریدی نے بھی موجودہ بورڈ کی موجودگی میں نہ کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ پھر بات سندھ ہائیڈرو پاور تک جا پہنچی، اس صورت حال میں اعلیٰ حکومتی عہدے داروں نے بورڈ اور شاہد آفریدی کے مابین سرد جنگ کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔ پوری قوم کی یہ خواہش ہے کہ شاہد آفریدی طویل عرصہ تک کرکٹ کھیلیں، ملے جلے جو کے، چھکے لگائیں اور سب سے بڑے ریکارڈ بنائیں۔ یہ کیا بات ہوئی جب آفریدی کے کھیل میں کشیدار آیا تو وہ کرکٹ سے الگ ہو گئے، ابھی تو ٹیم کو ان کی ضرورت ہے۔ شاہد خان آفریدی ان دنوں انٹرنیشنل میچوں کا نوٹنی کھیل رہے ہیں ہماری خواہش ہے کہ وہ پہلے کی طرح پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے شاندار کھیل سے پاکستان کرکٹ ٹیم کو کامیابیوں سے ہم کنار کریں۔

☆☆☆





## کہانی ایک پہلوان کی

راشد علی نواب شاہی

”تاکہ آسانی رہے۔“  
پہلوان اپنے ابا جی  
کی باتیں بہت غور  
سے سن رہا تھا۔ والد  
صاحب نے بھر کہا  
شروع کیا ”دوسری  
بات یہ کہ تمہارے  
پاس علم ہو کیوں کہ  
علم والا جہاں جاتا  
ہے لوگ اس کی  
قدر کرتے ہیں۔“  
پہلوان سوچنے لگا کہ  
اس کے پاس تو علم  
بھی نہیں، میں تو

صرف پہلوان ہوں۔

”تیسری بات یہ کہ وہ بھترین آواز رکھتا ہو یا کوئی ایسا ہنر  
رکھتا ہو کہ جہاں جائے اس ہنر کو استعمال میں لائے اور روزی  
کمائے۔ عقل مند کہتے ہیں کہ اگر روٹی دھننے والا اپنے شہر سے  
نہیں دور بھی چلا جائے تو اپنے ہنر کی وجہ سے وہ تکلیف نہیں  
اٹھائے گا اور اگر رستم پہلوان کہیں چلا جائے تو وہ بے ہنر ہے  
اس لیے بھوکا سوتے تک اس لیے اسے بیٹے تمہیں صرف پہلوانی  
آتی ہے، تمہارے پاس کوئی ہنر نہیں۔ تمہارا سطر اختیار کرنا  
درست نہیں، تم سبیں وقت مزدوری کر کے روزی کا بندوبست  
کرو۔“ باپ نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ شاید وہ سطر سے  
باز آجائے۔

باپ کی بات سن کر بیٹے نے کہا ”اے ابا جان! میں پہلوان  
ہوں، میرے سامنے اگر کوئی ہاتھی بھی آجائے تو میں اس کا مقابلہ  
کر سکتا ہوں، غضب ناک شیر سے لڑ سکتا ہوں، پس میں جہاں  
ہوں کہ میں ملک ملک کے سطر کروں۔ میں یہاں کی نگ دستی  
سے جائز آگیا ہوں۔ اگرچہ میں اپنے شہر سے چلا جاؤں گا لیکن

”کہانی اچھے اہانت دیں کہ میں اور کسی ملک چلا جاؤں اور وہاں  
جاکر روزی کمائوں۔“ ایک پہلوان نے اپنے والد صاحب سے کہا۔  
”بیٹا! ایسا خیال دل و دماغ کے نکال دو اور ہمیں چ کہانی  
جانے وہی روزی پر قناعت کرو۔ ہمیں صبر اور سکون کے ساتھ  
کام کر کے روزی کمائو۔“ والد نے بیٹے کو سمجھایا۔

پہلوان نے سطر کے فوائد گناتے ہوئے کہا ”ابا جان! سطر  
کرنے کے بہت سے فائدے ہیں، دوسری جگہ کام کرنے سے  
زیادہ فائدے کی امید ہوتی ہے، سطر میں غریب و غریب چوری  
دیکھنے کو ملتی ہیں اور آدمی ایسی باتیں سن سکتا ہے جو پہلے کبھی  
نہیں سنی ہوتیں، مختلف ملکوں کی سیر ہوتی ہے، دوستوں سے  
ملاقات ہوتی ہے، علم میں اضافہ ہوتا ہے، مال بھی بڑھتا ہے  
اور نئے نئے تجربات سامنے آتے ہیں۔ اگر آدمی سطر اختیار نہ  
کرتے تو نامکمل رہتا ہے۔“

”بیٹا! یہ ٹھیک ہے سطر کے بہت سے فائدے ہیں، لیکن اگر  
چند باتیں ہوں تو پھر آدمی سطر اختیار کرے۔ تمہارے پاس  
بہت سامان ہو جس کو تو سطر میں استعمال کرے اور خادم ہوں



میں جس شہر میں بھی جاؤں گا اس کو میرا ہی شہر سمجھا جائے۔  
مکانوں میں رہنا تو مال واپس کا کام ہے، لیکن جو فقیر اور تنگ  
دست ہو گا جہاں رات ہو گی وہیں اس کا مکان بن جائے گا۔

آپ نے جب دیکھا کہ بیٹا بھند ہے تو اس نے بیٹے کو سڑ  
کی اجازت دے دی۔ کچھ دنوں بعد پہلوان سڑ پر روانہ ہو گیا۔  
چلتے چلتے وہ ایک دریا کے کنارے پہنچا، دریا میں طغیانی آئی ہوئی  
تھی اور پانی کا شور مچلوں اور تنگ سائی دے رہا تھا۔ بڑے بھر  
پانی کے زور پر لڑکے، عورتیں، بچے، پہلوان کھڑا سوچ  
ہی رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے اسے زور ایک کشتی نظر آئی، لوگ  
کشتی میں بیٹھے تھے۔ پہلوان بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور علاج کی  
منت سماجت کرنے لگا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے تو مجھے دریا  
پار کرا دے۔ علاج نے پہلوان کی ایک نہ سنی۔

جب پہلوان نے بہت عاجزی کی تو علاج نے کہا: ”اے  
پہلوان! تو رقم کے بغیر کسی پر زور نہیں چلا سکتا، اگر میرے پاس  
کشتی کا کرایہ نہیں ہے تو صرف طاقت کے بل بوتے پر تو دریا  
پار نہیں کر سکتا۔ کیا فائدہ میری طاقت کا؟ جا کر ایہ اور“  
علاج کی باتیں سن کر پہلوان بھڑ گیا۔ اس سے پہلے پہلوان

کچھ کہتا، علاج نے کشتی چلا دی۔

”تم میرا یہ لباس لے لو اور مجھے اپنی کشتی میں سوار کر لو۔“

پہلوان نے زور سے کہا۔

علاج لالچ میں کشتی واپس لے آیا۔ مال کی عرص محل مند  
آوی کو بے وقوف بنا دیتی ہے۔ عرض ہی سے تو چڑیا اور چھلی  
جہاں میں پھنس جاتی ہیں۔

جیسے ہی علاج نے کشتی کنارے پر لگائی تو پہلوان نے اس کا  
گرہ بٹا کر لیا اور مارنا شروع کر دیا۔ کوئی آدمی بھی آگے نہ بڑھا  
کہ وہ علاج کو بچائے۔ آخر علاج پہلوان کے قدموں میں گر پڑا  
اور پہلوان سے معافی مانگی اور کہا: ”آپ بھیر کر ایہ کے کشتی میں  
بیٹھ سکتے ہیں۔“ علاج کو اسی میں خیر نظر آئی کہ وہ پہلوان کو  
کشتی میں بٹھا لے۔ کشتی دوبارہ روانہ ہوئی۔ چلتے چلتے کشتی دریا  
میں بنے ایک ستون کے پاس پہنچ گئی۔ یہ ستون ملک پرمان نے  
قصر کر لیا تھا۔ اس پر پ مشکل ایک آدمی کھڑا ہو سکتا تھا۔ علاج  
کہنے لگا:

”کشتی میں غریب بچا ہو گئی ہے، تم لوگوں میں سے جو سب  
سے زیادہ طاقت ور ہے وہ اس ستون پر چڑھ جائے اور کشتی کو





مضبوطی سے پکڑ لے تاکہ کشتی ٹھہر جائے کیوں کہ دریا کے بہاؤ کی وجہ سے کشتی ایک جگہ نہیں ٹھہر رہی۔

پہلوان کو اپنی طاقت پر باز تھا وہ اپنے دشمن کی چال نہ سمجھ سکا اور بھول گیا کہ اُس نے علاج کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ پہلوان نے کشتی کی رسی پکڑی اور ستون پر چڑھ گیا۔ جوں ہی وہ ستون پر کھڑا ہوا علاج نے کشتی چلا دی۔ اب پہلوان کو رسی پھوڑنی پڑی کیوں کہ اگر وہ رسی نہ پھوڑتا تو دریا میں جا گر جاتا۔ پہلوان کشتی کو جاتا دیکھ رہا تھا۔ پہلوان سمجھ گیا کہ علاج نے جو مصافی مانگی تھی وہ سب دیکھوا تھا۔ پہلوان بھول گیا تھا اگر کسی کو ایک بار تکلیف پہنچائی ہو اور وہ سو بار بھی راحت دے تو اُس سے بے خوف نہیں ہوتا چاہیے۔ میر زلم سے نکل بھی جائے تو اُس کی تکلیف باقی رہتی ہے۔ علاج نے بہت چالاک سے اپنی چٹائی کا بدلہ لے لیا تھا۔ پہلوان دو دن اسی ستون پر بیٹھا رہا بھوک اور مسلسل جاگنے سے وہ بیمار پڑ گیا۔ اچانک اُس پر غصہ کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ ایک جھینکے سے پانی میں جا گر گیا۔ پہلوان ساری رات دریا میں رہا اور صبح کے وقت پانی نے اُس کو کنارے پر پھینک دیا۔ زندگی کی رمتی ابھی باقی تھی، جب پہلوان کو ہوش آیا تو سورج کی کرنیں ہر سو بھیل رہی تھیں۔ پہلوان کو بھوک ستا رہی تھی مرنے کا کیا نہ کرتا۔ اُس نے گھاس اور جڑیں کھا کر بھوک مٹائی اور بخشی آبادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے سہ پہر کا وقت ہو گیا، لیکن کوئی آبادی نظر نہ آئی۔ ایک جگہ لوگوں کا جھوم دیکھ کر پہلوان کی جان میں جان آئی۔ پہلوان نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شربت والے کے پاس کھڑے ہیں۔ اور ایک اشرفی کے بدلے شربت کا گلاس پیا رہے ہیں۔ پہلوان بھی چوں کہ کافی دیر سے چل رہا تھا لہذا اُس کو پیاس بھی ستانے لگی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ بھی شربت پیچنے والے کے پاس چلا گیا اور منت سماجت کرتا رہا کہ اُسے بھی ایک گلاس دیا جائے، لیکن انہوں نے پہلوان کی بات سن کر دی اور اس پر کوئی توجہ نہ کھلی۔ پہلوان کو غصہ آگیا اُس نے شربت والے کو مارنا شروع کر دیا۔ جب دوسرے لوگوں نے یہ دیکھا تو پہلوان پر ٹوٹ پڑے اور

اُسے اکاملا کر پہلوان زخمی ہو گیا۔

جب وہ ٹھیک ہو جائیں تو غضب ناک شیر کی کھال بھی لٹچ لٹچی ہیں۔

پہلوان وہاں سے گزرتا ہوا اٹھا اور ایک طرف کو ہو لیا۔ ذرا اُسے ایک قافلہ جانا ہوا نظر آیا۔ وہ بھی قافلے کے ساتھ ہو لیا۔ رات ہوئی تو قافلے نے ایک جگہ چاؤ ڈالا۔ قافلے والے پریشان تھے کیوں کہ اس علاقے میں ڈاکوؤں اور چوروں کا خطرہ تھا۔ پہلوان قافلے والوں سے کہنے لگا: "خوف نہ کرو میں تمہارے درمیان موجود ہوں میں اکیلا ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔" قافلے والوں نے اُس کے ذیل ڈول کو دیکھتے ہوئے اس کا یقین کر لیا۔ گویا پہلوان کی ڈھنگوں سے قافلے والوں کی احساس بندھ گئی۔ انہوں نے پہلوان کی خوب خاطر مدارت کی۔ اُسے کھانے کی بہترین چیزیں میا کیں۔ پہلوان نے خوب سیر ہو کر کھانا کھلایا۔ کھانا کھانے کے بعد اُس پر سستی چھانے لگی اور وہ نیند کی دلدلی میں چلا گیا۔ قافلے میں ایک تجربہ کار بوڑھا بھی تھا۔ اُس نے قافلے والوں سے کہا:

"اُسے قافلے والا تمہیں چوروں سے زیادہ اس پہلوان سے ڈرنا چاہیے۔ کیوں کہ ایک مرتبہ ایک غریب آدمی کو دولت ملی تھی۔ اُس کو خوف کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ اُس نے چوروں کے ڈر سے اپنے ایک دوست کو اپنے گھر بلایا۔ وہ دوست کچھ دن تو اس کے ساتھ رہا اور اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کی دولت کہاں ہے۔ ایک دن وہی دوست اُس کی تمام دولت لے کر بھاگ گیا۔ صبح جب لوگوں نے اُسے روئے دیکھا تو پرچھا: "تمہاری دولت چور لے گئے ہیں؟" تو غریب آدمی نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم تمہارا لے گیا۔ مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ یہ بھی چوروں کا ساتھی ہے اور جب قافلے والے سو جائیں گے تو یہ اپنا کام کر جائے گا۔"

"جب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ایک آدمی نے سوال کیا۔

"میری مانو تو اسے سوتا پھوڑو اور اپنا سفر جاری رکھو۔"

قافلے والوں کو بوڑھے کی بات پسند آئی۔ ان کو پہلوان سے



جائے گا۔ میں نے ایک مرتبہ ڈنگ کھایا تو مجھے کس قدر شہد حاصل ہوا ہے۔ جو غوطہ کھانے سے خوف کرے گا تو سمندر کا قیمتی موتی کیسے حاصل کرے گا۔ اگر ہر ایک جگہ پڑا ہے تو غذا کیسے حاصل کرے گا۔" بیٹے نے جواب میں یہ ساری باتیں کہہ ڈالیں۔ بیٹے کی باتیں سن کر باپ نے کہا: "وہاں اس مرتبہ اللہ نے تمہاری مدد کی۔ ایک شہزادہ تمہارے پاس پہنچ گیا اور رحم کر کے تجھ کو مال و دولت دے کر بھیجا، لیکن ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔" پہلوں کے باپ نے اس کو ملک ایران کے بادشاہ کا ایک قصہ سنایا:

"ملک ایران کے بادشاہ کی انگوٹھی میں ایک بہت ہی قیمتی گنبد جڑا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ اپنے چند خادموں کے ساتھ شہر شیراز کی ایک عید گاہ میں گیا۔ اس نے عزم دیا کہ اس کی انگوٹھی کو عید گاہ کے گنبد پر نصب کر دوں۔ بادشاہ کے عزم کی تعمیل کی گئی۔ بادشاہ نے کہا جو اس انگوٹھی کے حلقے میں سے تیر کو پار کرے گا یہ قیمتی انگوٹھی اس کو دے دی جائے گی۔ اس وقت بادشاہ کے پاس چار سو کے قریب تیر انداز تھے جو ملک کے باہر تیر انداز تصور کیے جاتے تھے۔ ان سب تیر اندازوں نے نشانہ لیا، لیکن کوئی بھی انگوٹھی کے حلقے میں سے تیر کو نہ گزر سکا۔ ایک بچہ جو مسافر خانہ کی چھت پر کھڑا تیروں سے کھیل رہا تھا اس کا ایک تیر بادشاہ کی انگوٹھی کے حلقے میں سے گزر گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے انگوٹھی بھی دی اور بہت مال و اسباب بھی دیا۔ بچہ جب گھر گیا تو اس نے اپنے تیر کمان کو جلا دیا۔ لوگوں کو بتائی تھی کہ اس نے وہ تیر کمان کیوں جلا دیا جس کی بدولت اسے انعام ملا تھا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں تیر انداز تو تھا نہیں، اب اگر تیر اندازی کروں گا تو لوگوں کو میری تیر اندازی کا حال معلوم ہو جائے گا اور میری پگلی عزت باقی نہ رہے گی۔ اس لیے تیر کمان کو جلا دیا ہے۔"

پہلوں کی سمجھ میں بات آگئی تھی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ہر کام کرنے سے پہلے بزرگوں سے ضرور مشورہ کیا کرے گا۔

خوف محسوس ہوا انہوں نے فوراً اپنا سفر شروع کر دیا۔ پہلوں پڑا ہوا رہا وہ تب جاگا جب سورج چمک رہا تھا۔ پہلوں نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن قافلے والوں کا نام و نشان نہ تھا۔ پہلوں جنگل میں ادھر ادھر بھٹکنے لگا اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس جنگل میں مر جائے گا کیوں کہ اس کو جنگل سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ مل رہا تھا۔ آخر جب کچھ سن نہ پڑا تو وہ چیخ چیخ کر کہنے لگا:

"کوئی ہے جو میری مدد کرے۔ قافلہ جا چکا ہے اور میں قافلے سے جدا ہو چکا ہوں، مسافر ہی مسافر کی مدد کرتا ہے۔ وہ کبھی بھی کسی مسافر کی مدد نہیں کرے گا جس نے کبھی سفر نہ کیا ہو۔ کوئی ہے تو خدا کے لیے میری مدد کرے۔"

ایک شہزادے نے اس کی ساری بات سن لی وہ قریب ہی سے گزر رہا تھا۔ دراصل شہزادہ خود فکر کرتے کرتے اپنے فکروں سے بچھڑ چکا تھا۔ پہلوں کی بات سن کر وہ اس طرف آگیا اس نے وہاں ایک پہلوں کو دیکھا۔ شہزادے کو پہلوں پر بڑا ترس آیا۔ اس نے شہزادے سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں جانا ہے؟ شہزادے کے اس سوال پر پہلوں نے اپنی ساری کہانی سنا دی۔ اس نے شہزادے کے خادم بھی اسے محفوظ رکھنے والے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ شہزادے نے بہت سامان و دولت دے کر ایک قابل احمد شخص کو پہلوں کے ساتھ کیا کہ وہ حفاظت سے اسے گھر پہنچا دے۔

پہلوں کا والد اپنے بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس کا بیٹا کبھی سلامت واپس آگیا ہے۔ رات کو اس نے گھر والوں کو تمام آپ بیتی سنائی۔ کشتی کے طالع کی دھوکہ بازی، دریا میں گرنا، گاؤں والوں کا ظلم اور قافلے والوں کی تھداری کا سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ پھر کس طرح شہزادے نے اس کی مدد کی۔

"اے بیٹے! میں نے تم کو چلتے ہوئے کیا کہا تھا یاد رکھو جو کے دانے کے برابر سونا، ستر میں زور سے بھرتا ہے۔"

"اما جی! جب تک تکلیف نہ اٹھائی جائے تو غزانہ کیسے حاصل ہو گا۔ جب تک دانہ نہ بویا جائے گا تو کبھی سے کیا حاصل کیا





# کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

علی احمد اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ کچھ آدمی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ اپنے بیل سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ڈاکو اس کے اہو جان کے کمرے میں موجود ہیں۔ وہ پہلے تو گھبرایا مگر پھر جلد اس نے اپنے حواس پر قابو پایا اور ایک نمبر اپنے موبائل فون سے ڈاکو کی کیا۔ اس کے فون کرنے کے کچھ ہی دیر بعد پولیس کے جوان آ پہنچے۔ پولیس نے فوری کارروائی کر کے ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیا۔ سب علی احمد کی حاضر دہائی کی دلاوت سے رہے تھے۔ آپ نے کھوج لگائی ہے کہ علی احمد نے کس نمبر پر فون کر کے پولیس کو ڈاکوؤں کے بارے میں بتایا تھا۔



اگست 2011ء میں شائع ہونے والے "کھوج لگائیے" کا صحیح حل: عزیز اپنے دوست کی رشتہ پر جس شہر میں گیا تھا اس کا نام لاہور ہے۔ شاہد ہاشم لاہور میں واقع ہے۔

انہیں جو درست جوابات موصول ہوئے ان میں سے 55 بچے یہ ذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حل دار قرار پائے۔ ان بچوں کو 500 روپے کی کتب بطور انعام دی جارہی ہیں۔

نہر شہباز خان، لاہور  
گلشن اسلام، میرپور

- 1- کامران ٹوبہ مراد، پشاور
- 3- فضیلہ نیاز باغی، دہلی
- 5- شریل پرنس، ملتان

برقی کے ساتھ کوئی بھیجا ضروری ہے۔ ممبر گجیٹ کی آخری تاریخ 15 ستمبر 2011ء ہے۔

نام: \_\_\_\_\_

پتہ: \_\_\_\_\_

\_\_\_\_\_







## مختصر مختصر

### دو باتیں

حضرت لقمان ایک دن اپنے شاگردوں اور دوستوں کو حکمت اور دانائی کا درس دے رہے تھے۔ سب لوگ ان کے درس کو بہت غور سے سنتے رہے تھے۔ ایک شخص کا اس طرف سے گزر ہوا ان کی آواز پر اس کے کان میں پڑی۔ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اس لیے کہ آواز جانی پہچانی تھی۔ وہ کافی دیر تک کھڑا ان کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ آخر جب وہ درس سے فارغ ہوئے تو وہ آگے بڑھا اور بولا: ”میں فلاں مقام پر کسی زمانے میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بکریاں چرانے والا میرا ایک ساتھی تھا۔ اس شخص کی صورت اور آواز بالکل آپ جیسی تھی۔“

”ہاں! مجھے یاد ہے، میں وہی ہوں۔“ حضرت لقمان بولے۔  
اس شخص نے حیران ہو کے پوچھا: ”آپ کو یہ سوجھ بوجھ کی طرح حاصل ہوا؟“ جواب میں حضرت لقمان بولے: ”صرف دو باتوں سے، ایک سچ بولنا، دوسرا بغیر ضرورت کے بات نہ کرنا۔“  
(جو یہ مقبول، لاہور)

### اللہ کا تحفہ

وقت اللہ کی وہ عظیم الشان نعمت ہے جو امیر و غریب، عالم و جاہل اور چھوٹے بڑے سب کو برابر ملتی ہے۔ وقت کی مثال دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی تیل کی طرح ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا گیا تو اچھا ورنہ وہ پگھل جاتی ہے۔ جن قوموں نے وقت کی قدر کی، انہوں نے صحرائوں کو گلشن میں تبدیل دیا۔ انہوں نے قطاروں پر قلعہ کیا۔ انہوں نے پہاڑوں کے جگر کو پاش پاش کر دیا، انہوں نے ستاروں پر کنکریں ڈال دیں، لیکن جن قوموں نے وقت کی قدر نہ کی اور وقت کو ضائع کر دیا، وقت نے ان قوموں کو ضائع کر دیا، ایسی ہی قوموں نے غلامی کی زندگی

بسر کی، ایسی ہی قوموں نے اپنے دین و دنیا کو برباد کر دیا۔  
حدیث شریف میں ہے۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے قیمت جانا:

- (۱) موت سے پہلے زندگی کو (۲) بیماری سے پہلے عذر سنی کو
- (۳) مشغولیت سے پہلے فراغت کو (۴) بچاپے سے پہلے جوانی کو
- (۵) فقیری سے پہلے مال داری کو۔

(دانیال احمد، پشاور)

### زندگی

وہ مضر انا خوف ناک تھا کہ اس مضر کو میں آج تک بھول نہیں پایا۔ وہ مضر جب بھی مجھے یاد آتا ہے میرا سر پکرا سا جاتا ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ آخر بیماری نئی نسل کو کیا ہو گیا ہے؟ اگر انہیں جدید ٹیکنالوجی مل ہی گئی ہے تو کیا وہ اس کا اسی طرح فائدہ استعمال کرتے رہیں گے؟ ایک نوجوان لڑکا میری آنکھوں کے سامنے سڑک کے کنارے ٹھون میں لت پت ہے۔ ہوش چاہتا ہوں اس کے قریب ہی اس کا ٹوٹا ہوا موبائل فون اور سوسائٹل میڈیا کی چیزیں تھیں۔ لوگ اس کی جان بچانے کے لیے ایپولینس کو فون کر رہے تھے۔ اس حادثے کی وجہ وہ موبائل فون تھا جس کو وہ سوسائٹل میڈیا چلاتے وقت مسلسل استعمال کر رہا تھا۔ اس کا دھیان موبائل سائیکل چلاتے میں کم اور موبائل فون سننے میں زیادہ تھا۔ افسوس ہے کہ آج کل کے نوجوان ڈرائیونگ کرتے وقت موبائل فون کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں ایسا کرنے سے نہ صرف وہ خود حادثے کا شکار ہوتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کے لیے بھی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون کا استعمال نہ کریں اور اپنا دھیان صرف ڈرائیونگ کی طرف ہی رکھیں۔ کیوں کہ کال تو دوبارہ بھی مل سکتی ہے، لیکن زندگی نہیں۔  
(دکاش شوکت، لیصل آباد)





## درخت کا پھل

کہتے ہیں کہ ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں شکار سے لوٹ رہا تھا کہ اس نے ایک بوڑھے کو پھلوں کے درخت لگاتے ہوئے دیکھا۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور بوڑھے سے پوچھا: ”آخری عمر میں وہ یہ درخت کیوں لگا رہا ہے، کیا یہ درخت اس کی زندگی میں پھل دینے لگیں گے؟“ بوڑھے نے بادشاہ کو سلام کر کے عرض کیا: ”اس نے اپنے بزرگوں کے لگائے ہوئے درختوں کے پھل کھائے، اب وہ یہ درخت اس لیے لگا رہا ہے کہ اس کی نوبت اس درخت کے پھل کھانے۔“ نوشیرواں یہ جواب سن کر خوش ہوا اور اس نے بوڑھے کو انعام دیا۔ بوڑھے نے سلام کر کے کہا: ”بادشاہ سلامت! میرے درخت تو ابھی سے پھل دینے لگے ہیں۔“ بادشاہ یہ سن کر اور بھی خوش ہوا اور اس نے بوڑھے کو پھر انعام دیا۔ بوڑھے نے سلام کر کے کہا: ”محضراً آپ دیکھ رہے ہیں، میرے درختوں نے کتنی جلدی مجھے دوبارہ پھل دینے دیں۔“ بادشاہ اور خوشی ہوا اور اس نے اسے تیسری مرتبہ زیادہ قیمتی انعام سے نوازا۔

(تہذیب و ادب کی کراچی)

## کرفیو

کرفیو دراصل دو فرانسیسی الفاظ Feu اور Couver کے مجموعے کی انگریزی شکل ہے۔ پہلے لفظ کے معنی ہیں ”بھجنا“ اور دوسرے کے معنی ہیں ”آگ۔“ اس طرح چارہ لفظ بنا ”آگ بھجنا۔“ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یورپ کے شہروں میں پرانے زمانے میں رواج تھا کہ مقررہ اوقات پر گھنٹہ بھجایا جاتا تھا جس کی آواز سننے ہی لوگ گھروں میں چلے وہی آگ بجھا کر سو جاتے تھے اور گھروں سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ کرفیو سب سے پہلے ولیم چارلس شاہ انگلستان نے رائج کیا تھا۔ اس کی وجہ بعض لوگ سیاسی بتاتے ہیں۔ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ اس سے نگری کے مکانات کو آگ سے بچانا مطلوب تھا۔ آج کے دور میں حکومتیں اس شہر میں جہاں بد امنی ہو مقررہ

اوقات کے لیے کرفیو نافذ کر دیتی ہیں۔ تاکہ لوگ گھروں سے باہر نکل کر بد امنی نہ پھیل سکیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر دیکھا جائے تو بدست گردی اور بد امنی بھی آگ کی ہی طرح ہے، جس کو کرفیو کے ذریعے بجھایا جاتا ہے۔

(شاملہ جرنل، کوئٹہ)

## دندان شکن جواب

ایک دفعہ حضرت اسماعیل شاہ شہید سے کسی نے کہا انگریز کہتے ہیں کہ ڈالھی رکھنا فطرت کے خلاف ہے، کیوں کہ انسان ڈالھی کے بغیر ہی پیدا ہوا ہے لہذا اسے ڈالھی کے بغیر ہی رہنا چاہیے۔ مولانا نے جہم فرماتے ہوئے کہا: ”پھر تو انگریز کو چاہیے کہ سارے دانت توڑ ڈالیں، کیوں کہ انسان دانتوں کے بغیر پیدا ہوتا ہے دانت تو بعد میں نکلتے ہیں۔“ مجلس میں بیٹھے ایک صاحب بولے:

”وہ مولانا کیا دندان شکن جواب دیا ہے۔“

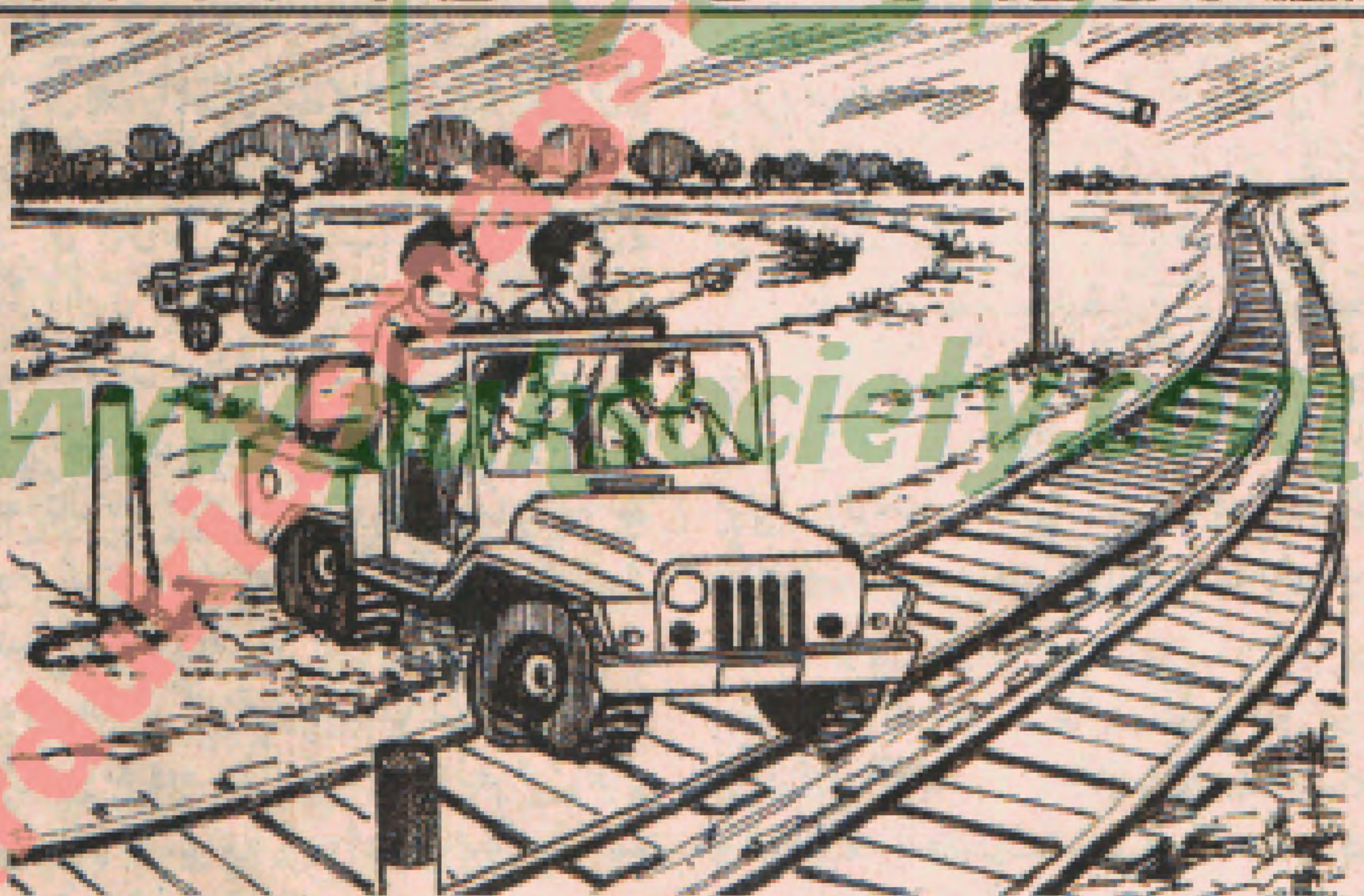
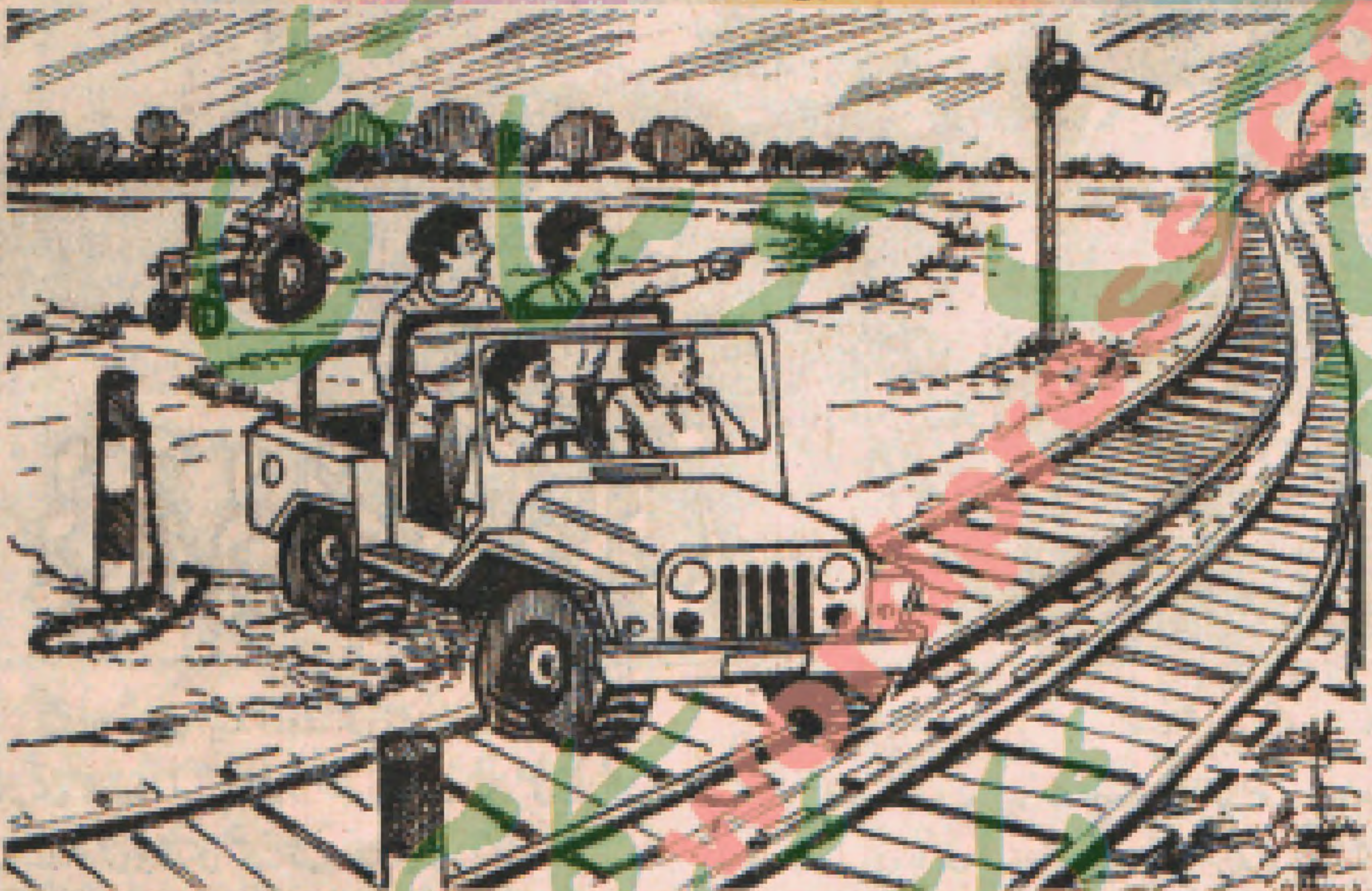
(مدرسہ نعیمیہ، اسلام آباد)

## اللہ کی عنایت

ایک مرتبہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایسا سخت بیمار ہوا کہ اس کے جوتے سے لے کر گھٹنوں تک پھوڑے ہی پھوڑے نکل آئے۔ اسے پیچھے پر قدرت نہ رہی، جب وہ غصے میں ہوتا تو ایک کروٹ پر سہارا لے کر نیم دراز ہو جاتا، اس کے لیے کھانا پینا بھی سخت مشکل ہو جاتا، لیکن اس حالت میں بھی اس کے معمول میں فرق نہ آیا کہ وہ روزانہ صبح گھوڑے پر سوار ہو کر قزاق حکمرانوں اور پھر لڑا مصر سے لے کر قزاق مغرب تک اپنے سرکاری اور جہادی کاموں میں مشغول رہتا۔ اس کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہمیں اس پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ان پھوڑوں کی اکڑاہٹ اور درد کو کیسے برداشت کرتا ہو گا، مگر سلطان کا کہنا تھا کہ جب میں گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں تو ان پھوڑوں کی تکلیف غائب ہو جاتی ہے اور جب تک سواری سے نہ اتروں یہ تکلیف میرے پاس نہیں آتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت تھی۔ (امیر مقصود علی شاہ، آنک)



# فرق تلاش کریں



یہ دونوں تصاویر بظاہر ایک جیسی لگتی ہیں، لیکن ان میں کا جگہ پر فرق ہے۔ کیا آپ یہ فرق تلاش کر سکتے ہیں؟



رانا محمد شاہد



# بی آر بی نہر کی کہانی

ستمبر 1965ء میں لاہور نیکلر کی جنگ اسی نہر کے کنارے لڑی گئی تھی۔ پاکستان کی آن بن جانے والی اس نہر پر ہمارے جاہلوں نے اپنا جانیں قربان کی تھیں۔ بی آر بی نہر پہلے بھی بہتی تھی، لیکن 6 ستمبر 1965ء کی سر طوع ہوئی تو یہی بی آر بی نہر کروڑوں پاکستانیوں کے لئے نہایت اہم ہو گئی۔ بی آر بی جرات و بہادری کی ایک علامت بن گئی اور اس نہر نے پاک فوج کے جوانوں کے شانہ بہ شانہ ایک مجاہد کا کردار ادا کیا۔

آج لوگ اس نہر کے کنارے بہتے ہیں تو قریب عقیدت و محبت سے ان کے سر جھک جاتے ہیں اور وہ وطن عزیز کی خاطر شہید ہونے والوں کو آسمانوں کا دروازہ بننے کے بغیر نہیں رہتے۔ بی آر بی کی روایتی غازیوں اور شہیدوں کے گیت گاتی پہلی بار یہی ہے اور یوں عقیدت مندوں کے دلوں سے بے اختیار صدا اٹھتی ہے۔

”بی آر بی بہتی رہے گی۔۔۔ بی آر بی بہتی رہے گی۔“

بی آر بی کا مختلف ہے۔۔۔ بہاؤ والی راوی بیابانی نہر ہے۔ 6 ستمبر 1965ء کو بھارت کے اچانک حملے کے موقع پر ایک مضبوط دفاعی لائن بن گئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد خطرہ تھا کہ

شیخ سعدی اپنی ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ ایک حمام میں میرے ایک پیارے دوست نے مجھے ایسی مٹی دی جس میں سے خوش بو آ رہی تھی۔ میں نے مٹی سے پوچھا: ”کس مٹی! تجھ میں یہ خوش بو کہاں سے آئی؟“ وہ بولی: ”میں چند دن پھول کی صحبت میں رہی چنانچہ اس کی خوش بو مجھ میں سما گئی۔“

مٹی مٹی ہی ہوتی ہے، لیکن جب اس میں پھول کی خوش بو سما گئی تو اس کی حیثیت اور قدر و منزلت بدل گئی۔ ہم اُسے بڑی محبت سے ہاتھوں میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح پانی پانی ہوتا ہے، لیکن جو پانی دنیا کے فرات میں بہتا ہے وہ اس لحاظ سے انتہائی قابل احترام ہے کہ اس کے کناروں پر کربلا کے میدان میں امام الشہداء حضرت امام حسینؑ اپنے نانا کے دین کو بچانے کے لئے جزیروں کے غم و غم کے آگے سینہ سپر بن گئے تھے۔ اور اس عظیم مقصد کے لئے اپنا لبو فرات کے پانی میں شامل کر دیا تھا۔ لاہور کی بی آر بی نہر اس لحاظ سے مقدس ہو گئی ہے کہ پاک فوج نے اپنا لبو پاک وطن کی حفاظت کرتے ہوئے اس نہر میں شامل کر دیا تھا۔



وقت عبور کیا جب کہ رومن ایپائز کا لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر موجود ہے سنبھالے ہوئے تھا۔ قتلِ ملی نے طوقانی دریا کو عبور کیا اور رومیوں کو شکست دی۔

سب سے دل چسپ امر یہ ہے کہ بی آر بی نہر کو عبور کرنے کے لئے دشمن فوج کے لیٹیننٹ جنرل پی کے کول نے جالندھر میں اس نہر کی لمبائی پیمائش اور گہرائی کے عین مطابق بالکل ایک ایسی ہی نہر 1952ء میں جوئی تھی اور اس وقت سے ہندوستانی فوج اپنے طور پر اس نہر کو عبور کرنے کی مشقیں کرتی رہی تھی۔ جنرل کول نے اپنی کتاب "من کی کہانی" میں ان مشقوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے، لیکن 13 سال کی تیاریوں مشقوں "لا تعداد افواج" تیاریوں کی برتری اور مہارت حملہ کرنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی وہ اس نہر کو پار نہ کر سکی۔

اس سترہ روزہ جنگ میں دشمن کی قوتوں نے لا تعداد گولے پھینکے، جہازوں سے راکٹ اور بم گرائے کہ کسی طرح بی آر بی نہر کو نقصان پہنچے اور اس میں پتے پانی کا نظام بگڑ جائے۔ پھر وہ آسمانی کے ساتھ اس نہر کو عبور کرنے کے قابل ہو جائیں گے، لیکن وہ اپنے ٹپاک اور بموں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید وہ جانتے نہیں تھا کہ اس کی پیش قدمی کی رکاوٹ بی آر بی نہیں بلکہ پاکستان کے جوان اور شیر دل بیٹوں کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت ہے۔ بی آر بی نہر پر میجر عزیز بھٹی اور ان کے ساتھی مسلسل چھ دن اور چھ راتیں دشمن کے سامنے سب سے پانی دیوار بنے رہے تھے۔ 12 جنوری کو اسی مقام پر میجر عزیز بھٹی نے جہاد شہادت نوش کیا تھا۔

یہ مختصری کہانی اس بی آر بی نہر کی ہے جو آج بھی پوری شان و شوکت سے بہہ رہی ہے کیوں کہ اسے یقین ہے کہ اگر دشمن نے اسے عبور کرنے کی کوشش کی تو پاکستانی افواج کے لاکھوں شیر دل جوان ان کو اس مقصد میں کسی کامیاب نہیں ہونے دیں گے کیوں کہ جنگیں جنگی سلاخ کے ساتھ ساتھ ہڈیوں کے ساتھ بھی لڑی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاک فوج کے جوانوں میں وطن سے محبت کا جذبہ زہد ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بھارت کسی وقت بھی نہر پر باری وہ آب کا پانی بند کر سکتا ہے۔ چنانچہ قندول ہندوستان کے تحت یہ نہر دریائے راوی سے نکال گئی اور اس میں رومیہ نہر کا پانی ڈالا گیا۔

یہ نہر پاکستانوں نے اپنی مدد آپ کے اصول پر بنائی تھی۔ اس کے کنٹرول والوں میں پروفیسر ڈی جے اور تانگہ بان بھی، دیہات کے لوگ بھی تھے اور شہر کے بھی، غرض کہ ہر کچھ لڑکے لڑکیاں اس نہر کی کھدائی میں حصہ لیا تھا۔

6 ستمبر 1965ء کی رات تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بھارتی افواج نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو اسی معروف بی آر بی نہر نے ایک بم درد لیکن کا روپ دھار لیا۔ اس بم درد لیکن نے نہ صرف دشمن کے ہاتھ ہوتے قدم روک دیئے بلکہ اپنی سوئی ہوئی قوم کو بھی بیدار کیا اور انھیں یہ احساس دلایا کہ دشمن تمہاری طرف بڑھ رہا ہے، بیدار ہو جاؤ۔

پاکستانی افواج کے شیر دل جوان دشمن کے موقع حملے کے پیش نظر اس نہر پر پہنچے۔ بھارتی کمانڈروں نے وہ پہرہ نگاروں پر قبضہ کرنے کا جو خواب دیکھا تھا وہ سب کچھ بی آر بی کے رواں دواں پانی میں ڈوب گیا۔

بی آر بی نہر نے جنگ ستمبر میں وہ کردار ادا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا میں بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں اور ابھی تک کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ جب کوئی حملہ آور فوج نہریہ دریا کو پار نہ کر سکی ہو۔ پانی سے گزرنا ان کی فتح کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کی مثالیں تاریخ کا حصہ ہیں۔ مثلاً 324 قبل مسیح میں جب سکندر اعظم یونان سے بلخ کر رہا تھا تو دریائے جہلم کے کنارے پہنچا تو دریائے جہلم کے دوسرے کنارے پر سکندر چار کے مقام پر رہا چاروں لا تعداد سپاہیوں کی فوج لئے مقابلے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ ان سپاہیوں کی مدد کے لئے بھارتی بھرمہ ہاتھیوں کا بھی کوئی شمار نہ تھا۔ حالانکہ سکندر اعظم کے پاس صرف گھوڑے تھے۔ اس کے باوجود سکندر اعظم نے دریائے جہلم عبور کیا اور رہا چاروں کو شکست فاش دی۔ پھر 218 قبل مسیح میں جنرل کے ٹھکانہ قتل ہال نے دریائے سندھ کو اس





# کیل دس منٹ کا

ی	ر	و	ن	ج	ر	ٹ	ج	ج	ر
د	ی	چ	م	ا	ب	غ	و	ظ	گ
س	ا	ر	ل	پ	م	ل	ن	ڈ	س
م	ع	ا	خ	ر	و	ن	ا	غ	ت
ب	ج	م	ی	ی	ن	ش	م	ا	ب
ر	ا	ل	ک	ل	ر	ف	و	ر	ی
ر	ب	و	ت	ک	ا	ی	ن	ا	ش
ج	گ	ز	و	ن	م	ء	و	ف	م
ی	ء	ا	ل	و	ج	م	ک	و	ص
س	ت	م	ب	ر	ج	ع	ط	ن	ر

آپ نے حروف ملا کر بارہ مٹھوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان مٹھوں کے نام دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن مٹھوں کے نام آپ نے تلاش کرنے ہیں وہ یہ ہیں۔

جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر



رنگ کیے اور انہیں مختلف ڈریوں میں بند کر دیا۔ دوسرے دن وہ آدمی واپس آیا تو دکان دار نے اس کے سامنے چوڑوں کو ڈریوں سے نکالا تو چوڑے آپس میں لڑنے لگے۔ غریب دار یہ دیکھ کر بہت خیران ہوا اور بولا۔

اب یہ ایک دوسرے کو کیوں مار رہے ہیں؟

دکان دار بولا: "میں نے ان کو الگ الگ رنگوں سے رنگ دیا ہے اور الگ الگ ڈریوں میں بند کر دیا تھا، جب سے یہ پیدا ہوئے تھے تو ایک دوسرے کو پہچان سکتے تھے پر اب مختلف رنگوں کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے اس لیے یہ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔"

یہاں سے بچا کچھ اسی طرح کا حال ہمارا بھی ہے۔ آج ہم بھی مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس لیے ایک ساتھ گزارا نہیں کر پا رہے اور ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے ہم رنگ و نسل کے فرق کو بیٹھ کے لیے مٹا کر آپس میں چار و میت کے ساتھ رہیں۔

(پہلا انعام: 200 روپے کی کتب)

ایک انٹرویو

(مہتمم علی، پٹیوت)

فرحان: "سلام علیکم؟"

تعلیم و تربیت: "علیکم السلام؟"

فرحان: "آپ کی اشاعت کا مقصد کیا ہے؟"

تعلیم و تربیت: "بچوں کو نیک کے کاموں کی طرف مائل کرنا اور انہیں اچھا انسان بنانا۔"

فرحان: "آپ کا سب سے اچھا سلسلہ کون سا ہے؟"

تعلیم و تربیت: "وہ ہے تو میرے سارے ہی سلسلے بہت اچھے ہیں، لیکن میرا سب سے اچھا سلسلہ دواوی علی آرائش ہے۔ کیوں کہ بچے اس میں بہت دل چسپی لیتے ہیں اور اس سے ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔"

فرحان: "آپ کو خوشی کب ہوتی ہے؟"



پہچان

(دوبیہ ایک، گھراٹ)

ایک آدمی ایک دکان دار کے پاس گیا اور اس سے اٹھ سے مانگے۔ دکان دار نے اسے اٹھ سے تھما لے کر دیا۔

سن میں سے جو چوڑے لٹھیں گے وہ بہت بھرا ہوا ہوں گے۔ اس لٹھ نے اٹھ سے گھراٹ کر مرنے کے لیے دیکھ



دیکھ۔ مقررہ وقت پر اٹھوں سے چوڑے نکل آئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ چوڑے بڑے ہو گئے مگر چوڑے آپس میں لڑتے نہیں تھے۔ وہ آدمی دکان دار کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ تم تو کہتے تھے کہ ان اٹھوں سے جو چوڑے لٹھیں گے وہ آپس میں لڑیں گے، مگر یہ چوڑے تو آپس میں نہیں لڑتے۔ دکان دار نے اس سے چوڑے لے کر کہا کہ وہ کل دوبارہ اس کے پاس آئے۔ اس کے جانے کے بعد دکان دار نے چوڑوں کو مختلف

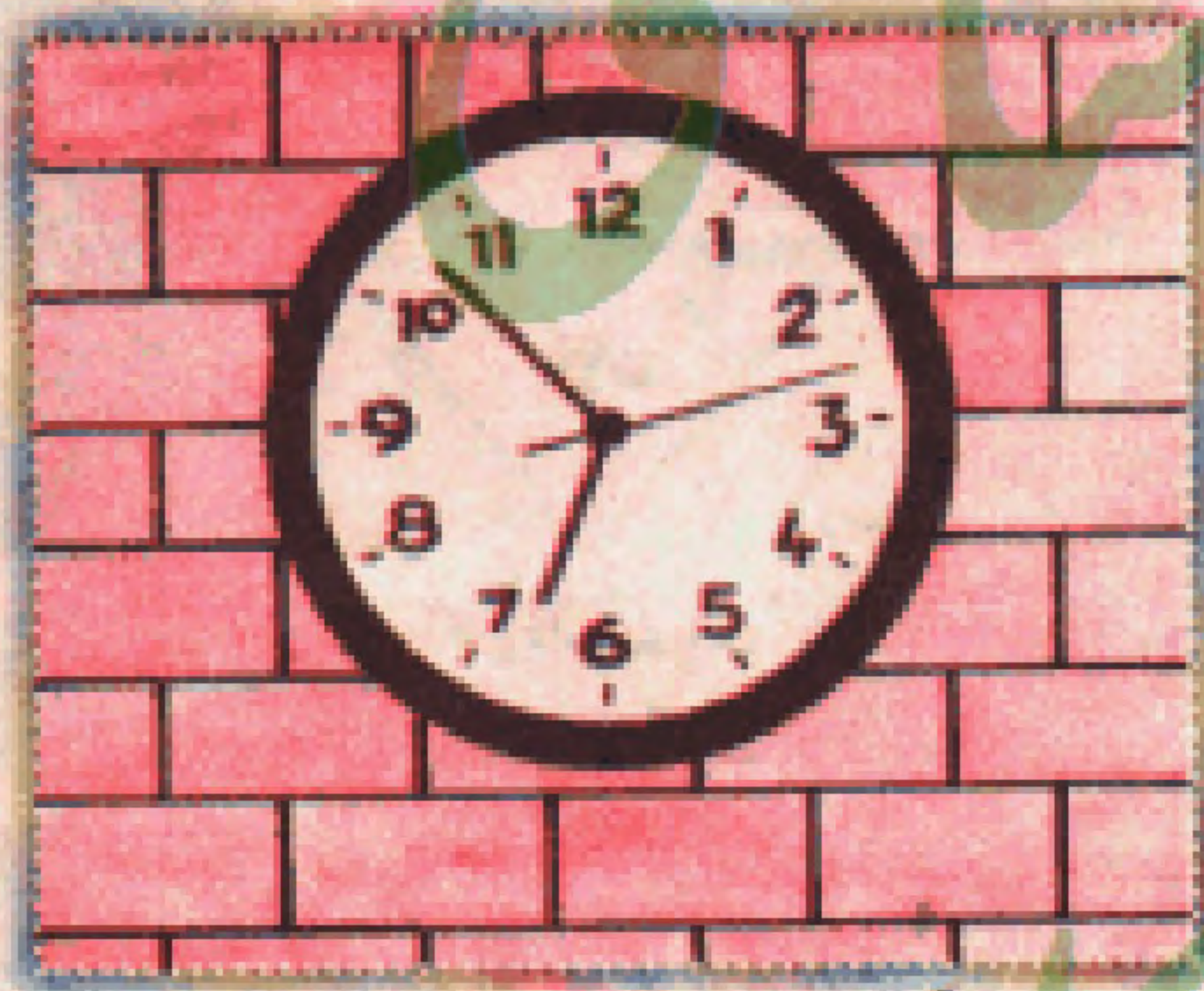


میں کون ہوں؟

(انجینئر بہان محمود خالد، ذریعہ غازی خان)

"پیارے میرے دوست اٹھو... اسکول جانے کا وقت ہوئے والا ہے۔"

"اٹھ جاتا ہوں ابھی پانچ منٹ باقی ہیں۔" حلیظ نے نگہ



اپنے منہ پر رکھتے ہوئے کہہ

"اٹھو... اٹھو... اٹھو..." میں بار بار کہہ رہا تھا مگر حلیظ نے نہ اٹھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ معمول کے مطابق دوپہر سے اٹھا اور جلدی جلدی ٹاشٹ کیا اور اسکول روانہ ہو گیا۔ وہ اسکول دیر سے پہنچا اسے سزا کے طور پر اسکول سے باہر 15 منٹ کھڑا کیا گیا جس نے سوچا کہ حلیظ کے ساتھ گج ہوا ہے۔ اسی نے میری بات نہیں مانی تھی۔ اس کے ساتھ ایسا

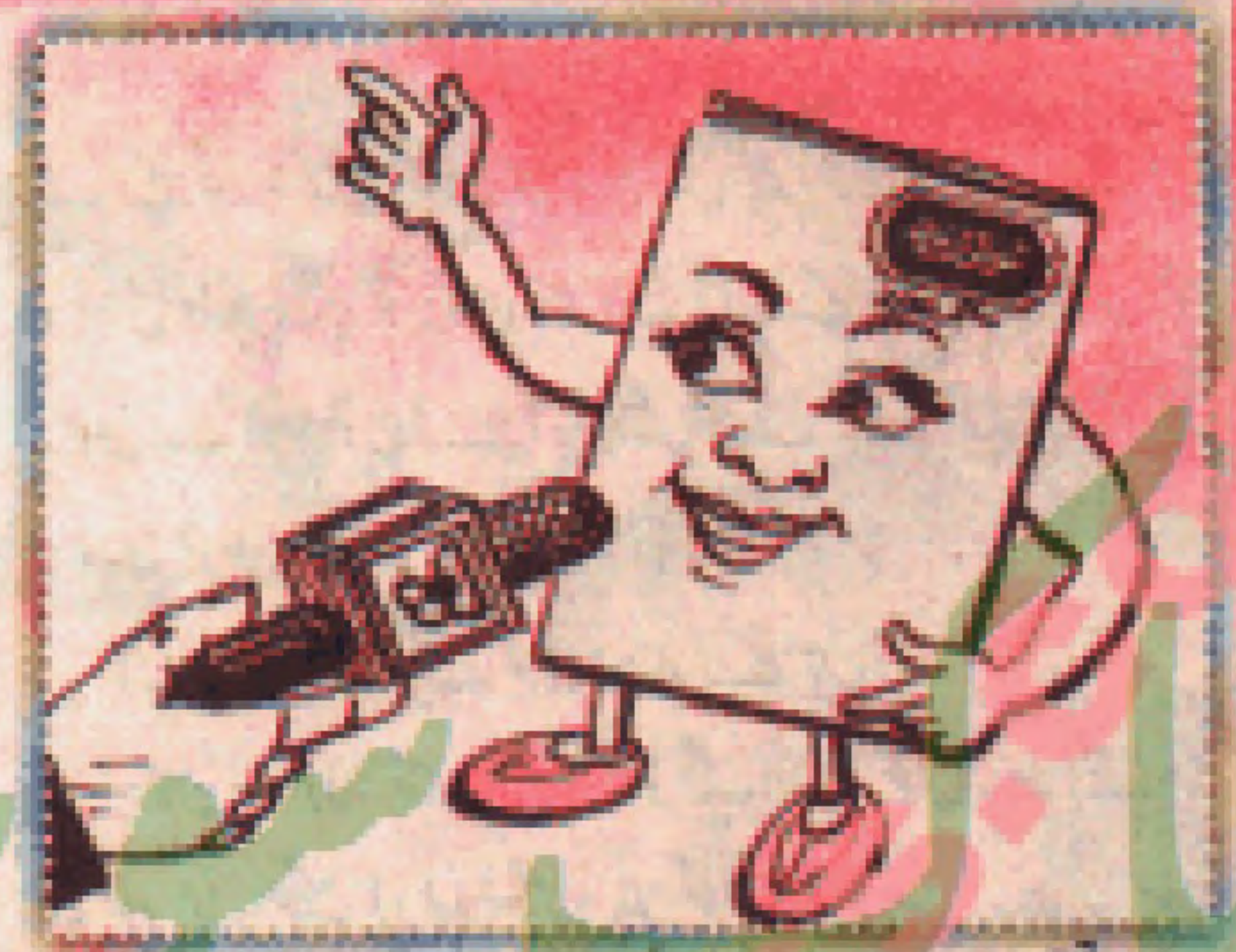
ہی ہونا چاہیے تھا۔

پہلا باب

"مدثر! میرے دوست پڑھو... تمہارے امتحان قریب ہیں... تم ہر وقت کرکٹ کھیلتے رہتے ہو۔"

"ابھی گھنٹہ ہی تو ہوا ہے مجھے کرکٹ کھیلتے ہوئے مجھے تھوڑا اور کھیلتے دو۔" مدثر نے کھیل چاری رکھتے ہوئے کہا اور میں بار بار مدثر کو کہہ رہا تھا۔ "پڑھو... پڑھو..." مگر وہ نہ

مرے سے کھیل رہا تھا۔ پھر مدثر کے بچے ہوئے اور جب



تعلیم و تربیت: "جب کوئی بچہ میری وجہ سے رونا راست پر آجاتا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

فرحان: "آپ کو دکھ کب ہوتا ہے؟"

تعلیم و تربیت: "جب کوئی بچہ مجھے پتہ نہ کر پھینک دیتا ہے تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔"

فرحان: "آپ کو غصہ کب آتا ہے؟"

تعلیم و تربیت: "مجھے غصہ بہت کم آتا ہے، ہاں ابھی کھانا ان بچوں پر غصہ آتا ہے جو چپ شدہ کہانیاں انٹرنیٹ کے لیے بھیجتے ہیں، ایسا کرنے والے میرے معیار کو خراب کرتے ہیں۔"

فرحان: "آپ کی عمر کتنی ہے؟"

تعلیم و تربیت: "میری عمر 71 سال ہے۔"

فرحان: "آپ کی لمبی عمر کا راز کیا ہے؟"

تعلیم و تربیت: "اللہ تعالیٰ کا کرم اور قدرتیں کی محبت میری لمبی عمر کے راز ہیں۔"

فرحان: "کیا آپ صرف پاکستان میں ہی پڑھے جاتے ہیں؟"

تعلیم و تربیت: "میں پوری دنیا میں پڑھا جاتا ہوں، میرے دوست تقریباً ہر ملک میں موجود ہیں۔"

فرحان: "آپ اپنے پڑھنے والوں کو کوئی پیغام دیتا چاہیں گے؟"

تعلیم و تربیت: "میں اپنے پڑھنے والوں کو یہ پیغام دیتا چاہوں گا کہ وہ دل لگا کر تعلیم حاصل کریں اور پاکستان کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔"

(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



ابو جہل نہ ہو جائیں یہاں تک کہ دریا کا دوسرا کنارہ آگیا۔ پھو پھوے کی پشت سے نیچے اتر گیا اور فٹنگی پر دوڑنے لگا۔ اس نے بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے چل دیا کہ دیکھوں آخر یہ کیا کرتا ہے؟

اس نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی پھاؤں میں ایک نوجوان گہری نیند سو رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ پھو اس نوجوان کو کالے گا اور اسے جیت کی نیند سلا دے گا۔

ابھی اس میں سوچوں میں گم تھا کہ یہاں تک ایک نہایت زہریلا سانپ آتے دکھائی دیا جو اپنا چمن اٹھائے تیزی سے اس نوجوان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی وہ سانپ اس نوجوان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ پھو آگے بڑھ کر اس سانپ کے سر پر بیٹھ گیا اور اپنے زہریلے ڈنگ اسے مارنا شروع کر دیئے، تھوڑی ہی دیر میں وہ سانپ اس پھو کے زہر کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ جو نبی سانپ مرا پھو فوراً واپس دریا کے کنارے لوٹا وہاں پکھوا اس کا منتظر تھا۔ پھو دوبارہ پکھوے کی پشت پر سوار ہو گیا اور دریا کے دوسرے کنارے جا اتر۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ عجیب و غریب کچھ کر میں شعر پڑھنے لگا۔ وہ نوجوان میری آواز سن کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے اسے پھو اور سانپ کا وہ تمام قصہ سنایا اور قریب ہی مرا ہوا سانپ اس کو دکھایا۔ میں نے اس کو بزرگ سمجھ کر اس کے پاؤں چمکائے، لیکن جو نبی میں اس کے قریب ہوا تو اس کے منہ سے شراب کی آبرہی تھی۔ نوجوان نے جب سارا قصہ سنا تو اس پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے اپنی گناہوں سے آلودہ زندگی سے توبہ کر لی اور پھر تمام عمر یاد الہی میں بسر کی۔

دیکھنا جب اللہ کی ذات ایک بد عمل اور بیش و حسرت میں مست انسان کی اس طرح حفاظت فرماتے ہیں تو آپ نیک اور مقرب بندوں کی کیسے حفاظت فرماتے ہوں گے۔

(امروزی تقریر)

رزلٹ آیا تو وہ دو چھ ز میں نکل تھا۔ پھر میں نے مدثر سے کہا ”میرے دوست! میں نے تم سے کہا تھا کہ پڑھو، مگر تم نے میری بات نہ مانی اور آج تم ناکامی سے دو چار ہو۔“

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کون ہوں؟۔۔۔۔۔ میں وقت ہوں جو حفظ اور مدثر جیسے بچوں کو پکار کر کہہ رہا ہے کہ وقت پر اٹھو، پڑھو اور تمام کام وقت پر کرو۔ جو بچے میری پکار کو نہیں سنتے ان کا حال حفظ اور مدثر جیسا ہوتا ہے اور جو میری بات مانتے ہیں وہ سب انسان کہلاتے ہیں۔ یاد دے پکھوا آپ میری پکار سنو گے اور اس پر عمل کرو گے۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

### حفاظت

(محمد طیب عباسی، لاہور)

ایک مرتبہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کپڑے دھونے کے لیے دریا پر تشریف لے گئے۔ انھیں وہاں ایک مونا سا پھو کنارے کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیا۔ جب وہ دریا کے نکل کے کنارے پر پہنچا تو ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ فوراً ہی دریا سے ایک پکھوا نکلا اور سب آہ پر میرے لگا۔ وہ پھو کے قریب ہوا اور پکھو اس کے قریب ہوا اور دونوں میں آنکھوں ہی آنکھوں میں غدا جانے کیا ساز باز ہوئی کہ پھو کود کر پکھوے کی پشت پر سوار ہوا اور پکھوا پھو کو لے کر دوسرے کنارے کی طرف چل دیا۔ ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھو کے پکھوے کی پشت پر اس طرح سوار ہونے سے مجھے کچھ فائدہ سا ہوا کہ ہو نہ ہو یہ پھو کسی خاص مہم پر جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت کی جانب سے اس کو منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے اسباب مہیا کیے جا رہے ہیں۔ پس ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی اس پھو کے تعاقب میں چلے کہ دیکھتا چاہیے کہ یہ پھو کہاں جاتا ہے۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ میں دریا میں اتر کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا اور ان کو نظروں میں رکھا تاکہ وہ نظر سے



## • جوابات علمی آزمائش اگست 2011 •

- 1۔ میں دن 2۔ طرش المائی 3۔ 99 میں مینا 4۔ 9۔ 5۔ اس سوال کا درست جواب اپنی ماہ ہے۔ سہوا اپنی ماہ کھیا گیا تھا۔ 6۔ ٹینکب آباد 7۔ ٹینکر 8۔ فونی پر 9۔ زین پارکنگ 10۔ آزاد
- اس ماہ ہے اور ساتھیوں کے درست حل موصول ہو سکے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ انکازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

- ☆ طرک سمن، حیدر آباد (200 روپے کی کتب)
- ☆ شفیق اقبال، سیالکوٹ (175 روپے کی کتب)
- ☆ سید مسکن نام عسکری، لاہور (125 روپے کی کتب)

درج ذیل سو سطحوں میں حصہ لینے والے جگہ بچوں کے ہم یہ لازمی قرعہ انکازی

- ☆ محمد سجاد سلیم چوہان، کول عادل، بھکر۔ سیدہ زینب، سرگودھا
- محمد احمد درانی، راہبہ لائق، حیدر رشتی، عہد انکس، فیصل آباد۔ عرونی احمد، خانقاہ ڈاکر۔ ذیشان حیدر، ڈیرہ اسماعیل خان۔ مریم حیدر، حزیلہ اسلام، محمد سخی احمد صادق، گوجرانوالہ۔ بلوئی نور، راول پڑی۔ رش خان، عرفان اشرف۔ محمد ابو بکر اشرف، خانیوال۔ آشہہ رشیم، گوجرانوالہ۔ نور الحسن، نور رمضان، سرگودھا۔ آمنت بلال، شفیق رضا، میریاض، محمد بڑیاں مرزا احمد شیر، جالندھر۔ امجد، انجم عارف، ابو بکر احمد، حادثہ جمیل، نیما حیدر، عقیب نورین۔ لاہور۔ زائنہ خورشید، ایوب آباد۔ شیلان احمد۔ زیبا نعیم، جیلیم قمر پور۔ دہلی۔ کرانی۔ احمد نعیم، گجرات۔ محمد عمران، خوشاب۔ ندا آصف، تربہ۔ قاسم قادری، علی مسعود اختر انجم، پکولہ۔ جانشین ممتاز، حرا مریم، نوشہرہ سید منہاس محمود، روار حسی، مونس عارف، راول پڑی۔ مونس عارف، عائشہ عائشہ رشید لون، سیالکوٹ۔ محمد علی، پشاور۔ عارفہ غفران، دہلی۔ محمد زہیر رشید، ملتان۔ میرات قاسم قادری، رشتہ۔ عثمان۔ عقیب منظور اسلام آباد۔ محمد علی، دہلی۔ کینٹ۔ حرا ممتاز، قصور۔ دھام شاستہ، جالندھر۔



درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

- 1۔ قرآن مجید میں کس خلیفہ راشد کو سہلی انجین کہا ہے؟  
 ا۔ حضرت عثمان غنی    ب۔ حضرت ابو بکر صدیق    ج۔ حضرت عمر فاروق  
 2۔ قرآن مجید کے اولین حائف کون تھے؟  
 ا۔ حضرت زید بن حارثہ    ب۔ حضرت ابو طلحہ    ج۔ حضرت عثمان غنی  
 3۔ حضرت ابو بکر صدیق نے مسجد نبوی کی جگہ کی جتنی کھجی عود کی تھی؟  
 ا۔ دس دینار    ب۔ تیس دینار    ج۔ پچھتر دینار  
 4۔ انسانی سر میں کتنی ہڈیاں ہوتی ہیں؟  
 ا۔ آٹھ ہڈیاں    ب۔ دس ہڈیاں    ج۔ گیارہ ہڈیاں  
 5۔ ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا دور تقریباً کتنے برس پر محیط ہے؟  
 ا۔ 564 سال    ب۔ 562 سال    ج۔ 568 سال  
 6۔ سچا چنگیز کا کردار کس عرب کی تھیلی ہے؟  
 ا۔ بطرس بن بشاری    ب۔ عیونق تھانوی    ج۔ الشافعی علی بن ابی  
 7۔ کرکٹ ویٹ کی پوزیشن کتنی ہوتی ہے؟  
 ا۔ چار اونچے    ب۔ سوا چار اونچے    ج۔ پانچ اونچے  
 8۔ پاکستان میں کتنے کہاں ڈھالے جاتے ہیں؟  
 ا۔ اسلام آباد    ب۔ کراچی    ج۔ لاہور  
 9۔ دنیا میں سب سے زیادہ پتہ من کس ملک میں پیدا ہوتی ہے؟  
 ا۔ بھارت    ب۔ بنگلہ دیش    ج۔ پاکستان  
 10۔ پاکستان کے کس شہر میں اسلامک سٹینڈرڈ واقع ہے؟  
 ا۔ لاہور    ب۔ ملتان    ج۔ کوئٹہ

بریل کے ساتھ کوئی بھی بچہ آزمائش میں حصہ لے سکتا ہے۔ 10 ستمبر 2011ء سے

نام: \_\_\_\_\_  
 مقام: \_\_\_\_\_

پتہ: \_\_\_\_\_





مدیر تعلیم و تربیت الاسلام ٹیکم اکیسے ہیں آپ؟

اس دفعہ کا شمار بہت اچھا تھا۔ باب صبح ہوئی اور صرف ایک دن بہت دل چسپ کہانیاں تھیں۔ □ (دبیرہ بیگ، گجرات)

کہانیوں میں پاکستان کہانی، احسان، بچہ تیز کام نے روزہ رکھا اور رانی بہت پسند آئیں۔ □ (عبدالاکرم، لاہور)

اگست کا شمار بہت اچھا لگا۔ رانی، بچہ تیز کام نے روزہ رکھا اور احسان بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ □ (شیخ محمد سعد، ایبٹ آباد)

مجھے تعلیم و تربیت سے بہت محبت ہے۔ میں اسے دو سال سے پڑھ رہا ہوں۔ اس کے تمام شمارے میرے پاس محفوظ ہیں۔ کیا میں بچہ تیز کام کی حراجہ کہانی سلسلہ "آپ بھی لکھتے" میں بھیج سکتا ہوں؟ □ (محمد حسنین سعادی، ذریہ اسماعیل خان)

آپ سلسلہ "آپ بھی لکھتے" کے لیے کسی اور موضوع پر کہانی ارسال کریں۔

آپ سے گزارش ہے کہ آپ تمام انعامی کوپنر کا پھلٹا حصہ سادہ رکھا کریں تاکہ کسی تحریر کا کوئی حصہ نہ کٹے۔ □ (آمنہ جہانگیر، سیالکوٹ)

بچہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔

انگل اش میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس کتاب سے ہم معلومات حاصل کریں کیا اس کتاب کا نام لکھنا ضروری ہے؟ □ (محمد سعد لطیف، کراچی)

بچہ کتاب کا نام لکھنا ضروری ہے۔

اس دفعہ سب کہانیاں سپر ہٹ رہیں۔ سرورق بہت پسند آیا۔ □ (اسماء نواز خان، لاہور)

صوفی نیاز مند اور بچہ تیز کام کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے

کیوں کہ ان کی کہانیاں حراجہ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتی تھیں۔ پرانے لکھنے والوں کو دوبارہ بلایا جائے اور ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ قلم نگار میں حسن ذکی کا علمی کی سائنس کے موضوعات پر لکھی گئی کہانیاں دوبارہ شائع کی جائیں۔ □ (محمد سہیل اسلم، لاہور کینٹ)

بچہ صوفی نیاز مند اور بچہ تیز کام کی دوبارہ اشاعت تو ممکن نہیں بہت آپ کی دیگر تجویز پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اگست کا شمار جو فنی شمارے ہاتھ میں آیا۔ شمارے چرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس دفعہ کے شمارے میں رانی، بچہ تیز کام نے روزہ رکھا، پاکستان کہانی اور ہم سفر زیر دست کہانیاں تھیں۔ □ (عبدالسیّد، لاہور)

کہانی "بچہ تیز کام نے روزہ رکھا" بہت ہی دل چسپ تھی۔ سلسلہ "کھوج لگائیے" بھی اچھا ہے۔ □ (فرحت حنیف، فیصل آباد)

اگست کا شمار بھی پچھلے شماروں کی طرح عمدہ تھا۔ اس شمارے میں بچہ تیز کام نے روزہ رکھا، اتحاد، صرف ایک دن، اور رانی زیر دست کہانیاں تھیں۔ □ (محمد مسیح، کوہاٹ)

آپ سلسلہ کھیل اور کھلاڑی میں وسیم اکرم، وقار یونس، انضمام الحق، عمران خان اور جاوید میانداد کے بارے میں مضامین شائع کریں۔ □ (محمد عالم چانڈی، مہاں چنوں)

بچہ آپ کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

اگست کا شمار بچہ، سرورق بہت خوب صورت تھا۔ صرف ایک دن، پاکستان کہانی، بچہ تیز کام نے روزہ رکھا اور اتحاد اچھی کہانیاں تھیں۔ □ (محمد عمران، خوشاب)

میں اضافہ ہوا۔ □ (محمد عمران، خوشاب)

اگست کا شمار اچھا لگا۔ صرف ایک دن اور پاکستان کہانی اچھی کہانیاں تھیں۔ □ (سفری یونس، جہلم)

دنیوی علمی آزمائش بہت اچھا سلسلہ ہے۔ لیکن ہونہار مصور اب بور کرنے لگا ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور انعامی سلسلہ شروع کریں۔ اس دفعہ کا شمار مجموعی طور پر بہت بڑے کشش تھا۔ سرورق بھی کافی ہنر نظر تھا۔ □ (فرخ طاہر، حویلی لکھ)

اگست کا شمار اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اگست کے مہینے کی مناسبت سے سرورق بہت شان دار ہے۔ اپنے عظیم لیڈروں کی



تعداد سرورق پر دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ (احمد عمران، لاہور) □  
 رانی "تمہی۔ (محمد مسعود اختر، ٹھٹھہ، چکول) □  
 قوی ترانے کے بارے میں چھ کر اچھا لگا۔ کہانیاں صرف ایک دن رانی اور احسان بہت اچھی تھیں۔

پکڑی کا اناٹھو پڑیا سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ (احمد قاسم، شیخوپورہ) □  
 اگست کے شمارے میں رانی عمدہ کہانی تھی۔ (قرۃ العین خیر البشر، وہا کیٹ) □  
 نائل مشاعر پاکستان کی خوب صورت تصویروں سے جھکا رہا تھا۔ کہانوں میں پاکستان کہانی، اتحاد اور رانی عمدہ تھیں۔

اگست کا شمارہ چھ کر دل بہا رہا ہو گیا۔ پاکستان کہانی، شکیں کہانے، اتحاد، رانی اور ہم سزا سزا تحریریں تھیں۔ (راجہ عاقب محمود جنجوعہ، پٹا دون خان) □  
 اگست کا نائل اپنی مثال آپ تھا۔ رانی، صرف ایک دن، ہم سفر اور احسان اچھی تحریریں تھیں۔ (محمد علی، وہا کیٹ) □  
 نائل آپ نے جو سلسلہ "مختصر مختصر" شروع کیا ہے وہ لا جواب ہے۔ (احمد عارف، لاہور) □

پکڑی کا کام کو نائل میں دیکھ کر دیکھ ہو۔ پکڑی ایسے کام ہی نہ کیا کریں جس سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مختصر مختصر اچھا جا رہا ہے۔ آپ کا خط ملا میں تصویر کی تبدیلی اچھی لگی۔ (محمد زبیر ارشد، ملتان) □  
 کہانوں میں رانی، پاکستان کہانی اور پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اچھی تحریریں۔ (سید عتیق، لاہور، راول پڈی) □  
 رانی، اتحاد اور پاکستان کہانی عمدہ تحریریں تھیں۔

سلسلہ "مختصر مختصر" کے لیے ایک واقعہ بھیج رہا ہوں۔ یہ سلسلہ بہت اچھا ہے۔ (ذیشان حیدر، ڈیرہ اسماعیل خان) □  
 طائف کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے نومبر کے "ہونہار مصور" کا موضوع لاہوری اور دسمبر کا موضوع میرا کمرہ ہونا چاہیے۔ (نگوئی لور، راول پڈی) □  
 اگست کے شمارے میں پکڑی کا کام نے روزہ رکھا، ہم سفر اور رانی عمدہ کہانیاں تھیں۔ (عابد فاطمہ، پشاور) □  
 آپ نے سلسلہ "آپ کا خط ملا" کی تصویر بدل کر بہت اچھا کیا ہے۔ (عاطف علی، اوکاڑہ) □  
 اس مرتبہ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

پکڑی کا کام کو نائل میں دیکھ کر دیکھ ہو۔ پکڑی ایسے کام ہی نہ کیا کریں جس سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مختصر مختصر اچھا جا رہا ہے۔ آپ کا خط ملا میں تصویر کی تبدیلی اچھی لگی۔ (محمد زبیر ارشد، ملتان) □  
 کہانوں میں رانی، پاکستان کہانی اور پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اچھی تحریریں۔ (سید عتیق، لاہور، راول پڈی) □  
 رانی، اتحاد اور پاکستان کہانی عمدہ تحریریں تھیں۔

اگست کے شمارے کا سرورق شان دار تھا۔ کہانوں میں اتحاد، جب بھی ہوئی۔ پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اور رانی ٹاپ پر تھیں۔ (رباب نسیم، سوہاگہ) □  
 اگست کا شمارہ چھ کر دل بہا رہا ہو گیا۔ پاکستان کہانی، شکیں کہانے، اتحاد، رانی اور ہم سزا سزا تحریریں تھیں۔ (راجہ عاقب محمود جنجوعہ، پٹا دون خان) □  
 اگست کا نائل اپنی مثال آپ تھا۔ رانی، صرف ایک دن، ہم سفر اور احسان اچھی تحریریں تھیں۔ (محمد علی، وہا کیٹ) □  
 نائل آپ نے جو سلسلہ "مختصر مختصر" شروع کیا ہے وہ لا جواب ہے۔ (احمد عارف، لاہور) □

پکڑی کا کام کو نائل میں دیکھ کر دیکھ ہو۔ پکڑی ایسے کام ہی نہ کیا کریں جس سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مختصر مختصر اچھا جا رہا ہے۔ آپ کا خط ملا میں تصویر کی تبدیلی اچھی لگی۔ (محمد زبیر ارشد، ملتان) □  
 کہانوں میں رانی، پاکستان کہانی اور پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اچھی تحریریں۔ (سید عتیق، لاہور، راول پڈی) □  
 رانی، اتحاد اور پاکستان کہانی عمدہ تحریریں تھیں۔

سلسلہ "مختصر مختصر" کے لیے ایک واقعہ بھیج رہا ہوں۔ یہ سلسلہ بہت اچھا ہے۔ (ذیشان حیدر، ڈیرہ اسماعیل خان) □  
 طائف کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے نومبر کے "ہونہار مصور" کا موضوع لاہوری اور دسمبر کا موضوع میرا کمرہ ہونا چاہیے۔ (نگوئی لور، راول پڈی) □  
 اگست کے شمارے میں پکڑی کا کام نے روزہ رکھا، ہم سفر اور رانی عمدہ کہانیاں تھیں۔ (عابد فاطمہ، پشاور) □  
 آپ نے سلسلہ "آپ کا خط ملا" کی تصویر بدل کر بہت اچھا کیا ہے۔ (عاطف علی، اوکاڑہ) □  
 اس مرتبہ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

پکڑی کا کام کو نائل میں دیکھ کر دیکھ ہو۔ پکڑی ایسے کام ہی نہ کیا کریں جس سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مختصر مختصر اچھا جا رہا ہے۔ آپ کا خط ملا میں تصویر کی تبدیلی اچھی لگی۔ (محمد زبیر ارشد، ملتان) □  
 کہانوں میں رانی، پاکستان کہانی اور پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اچھی تحریریں۔ (سید عتیق، لاہور، راول پڈی) □  
 رانی، اتحاد اور پاکستان کہانی عمدہ تحریریں تھیں۔

سلسلہ "مختصر مختصر" کے لیے ایک واقعہ بھیج رہا ہوں۔ یہ سلسلہ بہت اچھا ہے۔ (ذیشان حیدر، ڈیرہ اسماعیل خان) □  
 طائف کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے نومبر کے "ہونہار مصور" کا موضوع لاہوری اور دسمبر کا موضوع میرا کمرہ ہونا چاہیے۔ (نگوئی لور، راول پڈی) □  
 اگست کے شمارے میں پکڑی کا کام نے روزہ رکھا، ہم سفر اور رانی عمدہ کہانیاں تھیں۔ (عابد فاطمہ، پشاور) □  
 آپ نے سلسلہ "آپ کا خط ملا" کی تصویر بدل کر بہت اچھا کیا ہے۔ (عاطف علی، اوکاڑہ) □  
 اس مرتبہ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

پکڑی کا کام کو نائل میں دیکھ کر دیکھ ہو۔ پکڑی ایسے کام ہی نہ کیا کریں جس سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مختصر مختصر اچھا جا رہا ہے۔ آپ کا خط ملا میں تصویر کی تبدیلی اچھی لگی۔ (محمد زبیر ارشد، ملتان) □  
 کہانوں میں رانی، پاکستان کہانی اور پکڑی کا کام نے روزہ رکھا اچھی تحریریں۔ (سید عتیق، لاہور، راول پڈی) □  
 رانی، اتحاد اور پاکستان کہانی عمدہ تحریریں تھیں۔



## سرا کاظم

تیری ہی ہمتوں سے، آرزو ہم ہوئے ہیں  
خوشیاں ملی ہیں ہم کو، دل شاد ہم ہوئے ہیں  
تجھ سے ہی لہلہایا، یہ گلستاں ہمارا  
ہم سو رہے تھے ٹوٹے، آکر ہمیں جگایا  
پھرتے تھے ہم بھگتے، رستہ ہمیں بتایا  
ٹوٹا رو ہمارا، ٹوٹا سارہاں ہمارا  
تیرے ہی حوصلے سے، ملاقت ملی ہے ہم کو  
تیری ہی آرزو سے، عزت ملی ہے ہم کو  
چمکا ہے تیرے دم سے، قوی نکلا ہمارا  
اس دلیں میں ابھی تک، چرچا ہے عام تیرا  
جس شخص کو بھی دیکھا، لیتا ہے ہم تیرا  
دل تیری یاد سے ہے، اب تک جواں ہمارا  
ہم جو قدم اٹھائیں، آتی ہے یاد تیری  
ہم جس طرف بھی جائیں، آتی ہے یاد تیری  
تجھ سے رواں دواں ہے، یہ کارواں ہمارا

سونی نظام مصطفیٰ شہر





نذریر ادبیلوی

”کوئی! کیا ہوا ہے؟“

”مما! میں تیرے جتنی مشکل سے گھر پہنچی ہوں یہ مجھے ہی پتا ہے۔“

”ہوا کیا ہے؟“

”میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ شہر کے امیر ترین شخص سبیل مراد کی بیٹی کی گاڑی خراب ہو گئی اور کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔“

”تم نے آؤ، رک شاپ فون کیا ہو جا۔“

”ابھی بھی فون کیا تھا، مگر وہاں کوئی فون انیڈ نہیں کر رہا۔“

”تھو میں اب تیری گاڑی لوں گی، میں یہ گاڑی خرید نہیں چاہتی۔“

”ابھی تو تھو نے کہا تھا کہ اس کی بجائے میں یہ گاڑی کچھ عرصہ قفل ہی تو تھو سے پلا نے تمہیں خرید کر دی ہے۔“

”آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں جیسے میں نے یہ گاڑی کئی ہی لی ہو، یہ گاڑی مجھے دسہر میں ملی تھی اور اب تجربہ کا مسیحا ہے۔“

”میری سہیلی، میرا ہر دو ہوا بعد اپنی گاڑی بدلتی ہے۔ میں اب تیری گاڑی لوں گی۔“

”ہم اپنی بیٹی کو جسے گاڑی کی گاڑی خرید کر دیں گے۔“

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر چوکی دھڑنے لگا کر غصے کا گیت بھول دیا تھا۔ ہر شا رنگ کی ایک گاڑی تیزی سے کوئی فیصہ میں داخل ہوئی تو ان میں بیٹھے سبیل مراد اور ان کی بیٹی اناس نے گاڑی کو پہنچا دیکھا تھا۔ گاڑی سے ان کی بیٹی باہر نکل کر دائیں جانب چلتی سیر میوں کی طرف بڑھی تو اناس نے اسے آواز دی۔

”کوئی! یہاں آؤ۔“

اولی نے اپنی اہلی کی بات پر کان نہ دھرے اور تیزی سے سیر میوں چلتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ سبیل مراد نے کافی کی چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

”لگتا ہے ہماری بیٹی کا موٹر کچھ خراب ہے، میں پتا کرتی ہوں کہ اس کا موٹر خراب کیوں ہے، آپ کافی پیچھے میں ابھی آتی ہوں۔“

کچھ دیر بعد اناس، اولی کے کمرے میں موجود تھیں۔

”ہماری بیٹی کی بیٹی کا موٹر کیوں خراب ہے؟“

”آپ کو میرے موٹر سے کیا مطلب؟“ اولی فوراً بولی۔



سکیل مرو نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ نے اس کو بگڑا دیا ہے، اس کی گاڑی نئی ہے لہذا اس کو نئی گاڑی خرید کر دینے کی کوئی تک نہیں ہے۔“ اہاس نے کہا۔

”مگر یہ میرا اور ڈیڈی کا معاملہ ہے، میں نئی گاڑی لوں گی اور اسی میں بیٹے لوں گی۔“

”بس اب اپنا موز ٹھیک کر لو، کل ہی میرے ساتھ شوروم چلا، تم جس گاڑی پر ہاتھ رکھو گی وہ گاڑی تمہاری ہو جائے گی۔“ سکیل مرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ڈیڈی! گاڑی تو نئی ہو گی، مگر اس کا نمبر سات سی ہونا چاہیے۔“ ڈولی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

”یہ بھی کوئی تانے کی بات ہے، ہماری بیٹی کی گاڑی کا نمبر سات سی ہو گا، کلی سیون نمبر، اب تو تر خوش ہو۔“

”ڈیڈی! میں بہت خوش ہوں۔“

ڈولی نے اتکا ہی کہا تھا کہ اس کا بھائی سنی بھی اس کے کمرے میں آ گیا۔ ڈولی نے جب اسے اپنی نئی گاڑی کا بتایا تو وہ فوراً بولا:

”مگر تمہیں نئی گاڑی مل سکتی ہے تو مجھے کیوں نہیں، میں بھی نئی گاڑی لوں گا اور بالکل تمہاری گاڑی جیسی لوں گا۔“

سنی کی بات سن کر اہاس نے کہا:

”ٹیک نہ شد، وہ شد، تم دونوں تو یوں گاڑیوں کی باتیں کر رہے ہو جیسے تھری کو تھی میں کوئی گاڑی نہ ہو، گیراج گاڑیوں سے بھر اپنا ہے۔“

”مرو! وہ تمام گاڑیوں پر اسے بلا کر کی ہیں، اب تو اسے وہ گاڑیوں کے لئے سے بلا کر مارکیٹ میں آتے رہتے ہیں، میں جب کانٹا میں چٹکتی ہوئی نئی گاڑی لے کر جاتا ہوں تو ہر ایک کی نظر میری گاڑی پر ہوتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔“ سنی نے اپنی ہی کی بات بھی پوری نہ ہونے دی تھی۔

اب سکیل مرو، ڈولی اور سنی ایک طرف تھے اور دوسری طرف اکیلے اہاس تھی۔ اہاس بھی منہ میں سوئے کا چھو لے کر بیٹھا ہوئی تھی۔ اس کے والد سینو کریم شہر کے نہایت مال دار آدمی تھے۔ دولت کی ریل میں چلے جانے کے باوجود اس کے والد

سکیل مروی اختیار کرتے تھے۔ اس کی والدہ بھی نہایت دین دار خاتون تھیں۔ اپنے والدین کی تربیت کا اثر اہاس کی شخصیت پر تھا۔ وہ جہاں پہلا کر آئی تھی وہاں بھی دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔

سکیل مرو سوئے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کا شوہر ڈولی اور سنی کی ہر بات مانگا تھا۔ اس گھر میں ہر طرف کلی سیون نمبر دکھائی دیتا تھا۔ ان کے گیراج میں جو گاڑیاں کھڑی تھیں ان سب کی نمبر پلیٹوں پر سات کا ہندسہ نظر آتا تھا۔ ان کی کوٹھی کا نمبر سات تھا۔ ان کے پاس جو سوناگل فونز تھے ان کے نمبرز کا آغاز سات سے ہوتا تھا۔ وہ سیر و تقرج کے دوران جس ہوٹل میں قیام کرتے تھے وہاں سات نمبر کا کمرہ ان کے لیے پہلے سے بک ہوتا تھا۔ ڈولی اور سنی اب کانٹا جانے لگے تھے۔ ان کی عادات اب بد ہو چکی تھیں۔ خود لٹائی ان کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ انسان کو انسان نہ سمجھتے تھے۔ ڈولی نے چند دن قبل صرف اس بات پر گھریلو ملازمہ رضیہ کی تھیلوں کی پوچھا کر دی تھی کہ اس نے اس کے جوتے کبھی طرح سے پالش نہیں کیے تھے۔

ایک نکتے بعد ڈولی اپنے ڈیڈی اور بھائی کے ساتھ گاڑیوں کے شوروم میں موجود تھی۔ گاڑیوں کے لئے بلا کر دیکھ کر ڈولی نے سرخ رنگ کی ایک گاڑی جب کہ سنی نے سفید رنگ کی گاڑی پسند کی۔ سکیل مرو نے چیک شوروم کے مالک کو دیتے ہوئے کہا:

”اگر آپ کہیں تو میں چیک ابھی کیش کر دیتا ہوں۔“

”سینو صاحب! اس کی ضرورت نہیں ہے، میرا ملازم چیک کیش کر دلائے گا۔“

”میں پورے کیش کروں گا۔“ سکیل مرو نے اس کے حصول کے لیے ہائی کب لگے رکھی ہے۔ سکیل مرو کو کاہل سنی کر شوروم کے مالک خان عوام نے کہا:

”گاڑیوں کے لئے پورے کیش نمبروں کے لئے بولی چند روپوں کے بعد کریں ہاں میں ہو گی، آپ کو تو کلی سیون نمبر چاہیے ہو گا۔“

”بالکل، بالکل نئی سیریل میں کلی سیون نمبر ہی تم نے دیا ہے، ہم بولی دے کر یہ نمبر ہر دفعہ کی طرح بہت آسانی سے حاصل کر لیں گے۔“ سکیل مرو کے لہجے میں رعونت تھی۔





"آسی ہزار روپے۔" سکیل مرو نے کوئی لمحہ خنک کے بغیر کہا۔  
 "توے ہزار روپے۔" دانیال نے دس ہزار روپے بڑھاتے ہوئے سکیل مرو کو گھور دیا۔

"ڈیڈی ابولیس آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ یہ نمبر کارڈے ہاتھ سے اٹھائیں چاہیے۔" ڈوولی بولی۔

"ایک لاکھ روپے۔" سکیل مرو نے ہاتھ ہراتے ہوئے کہا۔  
 "ایک لاکھ بیس ہزار روپے۔" دانیال چلایا۔

گرین ہل میں موجود کئی لوگ نہایت دل چاہی سے یہ بولی سن رہے تھے۔ اب تک جو نمبر نظام ہوئے تھے یہ بولی ان سب سے بڑھ گئی تھی۔ کچھ سیریل میں سکیل مرو نے سات نمبر ایک لاکھ روپے میں حاصل کیا تھا۔ اب دونوں طرف سے رقم بڑھتی جا رہی تھی۔

"ایک لاکھ تیس ہزار روپے۔" سکیل مرو کا خیال تھا کہ یہ بولی بیس ختم ہو جائے گی، مگر جب دانیال نے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کا کہا تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"ڈیڈی اب آپ نے پیچھے نہیں ہٹا، ہم نے سات نمبر ہر صورت حاصل کرنا ہے، آپ ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کہہ دیں۔" ڈوولی نے دہم مٹا کر کہا۔  
 "سنی کی بات سن کر سکیل مرو نے جب ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کہا تو ہل میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ دونوں جانبوں نے اٹھان لی تھی کہ وہ ہر حال میں سات نمبر حاصل کر کے رہیں گے۔

مائیک میں بار بار بولی کی رقم دہرائی جا رہی تھی۔ دانیال نے کچھ سوچ کر کہا۔  
 "ایک لاکھ ستر ہزار روپے۔"

دانیال نے ایک ہی جھٹکے میں بیس ہزار روپے کا اضافہ کر دیا تھا۔ ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی بولی سن کر سکیل مرو پکڑا سا گیا تھا۔ اس کے لیے سات نمبر کا حصول مشکل بنا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کوئی مرتبہ بہت آسانی سے سات نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ سات نمبر حاصل کرنے کے لیے لگائی جانے والی بولی کی رقم جیسے جیسے بڑھتی جا رہی تھی۔ ہل

"مجھے علم ہے، گرین ہل میں کون ایسا ہو گا جو نہ کشش نمبروں پر آپ سے بڑھ کر بولی دے گا، کئی سیٹوں نمبر آپ کو آسانی سے مل جائے گا۔" خان غور ہو کر۔

اب مسئلہ یہ آن پڑا تھا کہ نمبروں کی کئی سیریل میں سات نمبر ڈیڈی کی گاڑی پر لگے گا یا سنی کی گاڑی پر۔ دونوں بہ ضد تھے کہ کئی سیریل کا سات نمبر اس کی گاڑی پر لگایا جائے۔ جس دن نہ کشش نمبروں کی بولی لگائی جانی تھی ڈوولی اور سنی اپنے ڈیڈی کے ساتھ گرین ہل میں موجود تھے۔ ایک شخص نے مائیک میں بولنا شروع کیا۔

"کئی سیریل آرائل سی کے پہلے دس نمبروں کی نیلامی کے لیے بولی کا آغاز کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے نمبر ایک کے لیے بولی ہو گی، تو نمبر ایک کے لیے بولی کا آغاز تیس ہزار روپے سے ہوتا ہے، اب آپ اس نمبر کے حصول کے لیے بولی لگا سکتے ہیں۔"

چالیس ہزار روپے۔ "ایک شخص نے بولی لگائی۔"  
 "پچاس ہزار روپے۔" کونے میں کھڑے ایک آدمی نے ہل صاف کرتے ہوئے کہا۔

پھر یہ بولی ایک لاکھ بیس ہزار روپے پر ختم ہوئی۔ گاڑیوں کے نہ کشش نمبروں کی یہ بولی جب سات نمبر پر پہنچی تو سکیل مرو نے ڈوولی اور سنی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں فکر مت کرو ہم یہ نمبر یا آسانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"تو اب کئی سیٹوں نمبر کے لیے بولی شروع ہوتی ہے۔" یہ سمجھتے ہوئے مائیک پر لگے والے شخص کی نگاہ سکیل مرو پر تھی۔ وہ شخص چاہتا تھا کہ سات نمبر پر سکیل مرو کی نظر ہے۔ سات نمبر کے لیے بولی کا آغاز بھی تیس ہزار روپے سے ہوا۔ سکیل مرو نے فوراً کہا "پچاس ہزار روپے۔"

اس کا خیال تھا کہ کوئی اس کے مقابل نہیں ہو گا، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس نے جب پچاس ہزار روپے کہا تو ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس نوجوان دانیال نے کہا۔  
 "ساتھ ہزار روپے۔"



میں موجود لوگوں کی دل بٹھیں بھی بدستور جاری تھیں۔ سکیل مراد نے ڈولی اور سنی کے اصرار پر بولی لگائی۔  
 ”ایک لاکھ اسی ہزار روپے۔“

”دو لاکھ روپے۔“ دانیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 سکیل مراد کا مقابل کسی طرح ہارنے کے لیے چار نہ تھا۔  
 ”سات فہر کے لیے بولی لگی ہے دو لاکھ روپے، دو لاکھ روپے، کوئی ہے جو اس بولی میں اضافہ کرنا چاہے، تو دو لاکھ روپے ایک، دو لاکھ روپے دو۔“ مانیک پر ایک آدمی مسلسل چلا رہا تھا۔

”دو لاکھ تیس ہزار روپے۔“ سکیل مراد نے فوراً کہا۔  
 آخر بولی تین لاکھ ستر ہزار روپے پر ختم ہوئی۔ دانیال سات فہر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سب اس کو مبارکباد دے رہے تھے۔ سکیل مراد، ڈولی اور سنی اس طرح خاموش تھے جیسے وہ بہت بڑی شکست سے دوچار ہوئے ہوں۔  
 سکیل مراد کے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔  
 ”تم نے کئی سیون فہر حاصل تو کر لیا ہے، مگر میں یہ فہر تمہارے پاس رہتے نہیں دوں گا۔“

”تم مجھے نہیں جانتے، مگر میں قصیں اچھی طرح جانتا ہوں، تم سونے کا کاروبار کرتے ہو اور میں بیروں کا سوداگر ہوں، اب تم کبھی سات فہر حاصل نہ کر پاؤں گے، اگر میری بات میں کوئی شک ہے تو اگلی سیریل میں سات فہر کی جب بولی لگے گی تو آکر دیکھ لیجئے ایسے کاموں کے لیے جسے بھی چاہیے اور حوصلہ لگی، یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہیں۔ تم اگلی بار آؤ تو پیسہ بھی لے کر آنا اور حوصلہ بھی۔“  
 ”تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“

”فہر مت کرو، سات فہر اب میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔“ دانیال یہ کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔ سکیل مراد نے ڈولی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”ڈولی! تم فکر نہ کرو میں یہ فہر کنسل کروا دوں گا۔“  
 ”ڈولی! کیا ایسا ممکن ہے؟“ ڈولی کے لیے میں غیر یقینی کی

کیفیت تھی۔

”ہاں ایسا ممکن ہے، میں کل سرفراز صاحب سے ملوں گا، مجھے کے سرفراز ہونے کی حیثیت سے ان کے اختیار میں سب کچھ ہے، ہم سات فہر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“ سکیل مراد نے ڈولی اور سنی کو تسلی دی۔

”ہم بھی آپ کے ساتھ سرفراز صاحب سے ملنے جائیں گے۔“ ڈولی اور سنی یک زبان ہو کر بولے۔  
 ”شک ہے تم بھی میرے ساتھ چلاؤ۔“  
 سکیل مراد اپنی دلی کیفیت کو بہت مشکل سے اپنے بچوں سے چھپاتے ہوئے بولا۔

دوسرے دن سکیل مراد اپنے بچوں کے ساتھ گاڑی میں سوار سرفراز کی کوٹھی کی طرف رواں دواں تھا۔ سرفراز نے شہر سے دور ایک نئی ہاؤسنگ سوسائٹی میں گھر بنایا تھا۔ تینوں بڑے امید تھے کہ وہ سات فہر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ شہر کی حد سے نکل کر وہ نہر کی طرف آگئے تھے۔ نہر کے دونوں طرف لہلہاتے کیت تھے۔ تینوں خاموش تھے۔ سکیل مراد گاڑی چلاتے ہوئے بار بار سرفراز کے وزنگ کارڈ پر نگھے پڑے کو دیکھ رہا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کرسی کے بائٹ گاڑی کا ریڈی ایٹر گرم ہو گیا تھا جس کے بائٹ گاڑی کے انجن سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ سکیل مراد نے فوراً گاڑی روک لی تھی۔ تینوں اب گاڑی سے باہر کھڑے تھے۔ انھیں ریڈی ایٹر میں ڈالنے کے لیے پانی کی ضرورت تھی۔ ڈولی اور سنی بائٹ کی بوتلیں لے کر کچھوں سے گزر کر ایک ٹوب ویل کی طرف بڑھے۔ جب وہ ٹوب ویل کے پاس پہنچے تو انھیں دائیں طرف ایک درخت کے نیچے کچھ بچے بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ ایک طرف کرسی پر ایک ماسٹر ٹین کی کلیاں چبک کر رہا تھا۔ ڈولی نے بچوں پر لگا ڈولی تو وہ حیران رہ گئی کہ بہت سے بچوں کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں تھے۔ ان کے کپڑے بھی پھنے پرانے تھے۔ ایک چھوٹی سی معصوم بچی پر ڈولی کی نظر پڑی تھی۔ ڈولی نے اختیار اس بچی کی



تھے، مگر اس پانی  
کے حصول کے  
انہیں بھر بدل کر  
رکھ دیا تھا۔ پانی سے  
ریڑی اٹھ اٹھا ہوا  
تو گاڑی چلنے کے  
لیے تیار تھی۔  
"گایڈی! ہم سر فرار  
صاحب کو بچنے  
کے بھانے دیکھیں  
مگر جائیں گے۔"  
ڈولی کی بات سن  
کر سیکل مروانے  
پہنچا۔  
"مگر کیوں؟"



اس کیوں کے بچوں میں ڈولی نے وہ سارا منظر لنگھوں کا  
بھانے کر اپنے ڈیڑی کو دکھا دیا تھا، جو منظر وہ کچھ دیر پہلے  
اپنے بھائی کے ساتھ دیکھ کر آئی تھی۔ چاندنی کی معصوم باتوں  
کی ہر گھٹت ابھی تک اسے سنائی دے رہی تھی۔ اب گاڑی کا رخ  
مگر کی طرف تھا۔

"گایڈی! آپ صبری ہر بات مانتے ہیں، مجھے اُمید ہے آپ  
صبری ایک بات اور بھی مان لیں گے۔"  
"بولو کیا بات ہے؟"  
"گایڈی! دو روپے جو ہم نے کئی سہائی نمبر حاصل کرنے  
کے لیے خرچ کرنے تھے اگر ان روپوں سے ایک اسکول بنادیا  
جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔" ڈولی نے اٹکا کہا تو سیکل مروانے  
مسکرا کر کہا۔

"ہم اپنی ریڑی بیٹی کی یہ بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔"  
اپنے ڈیڑی کی یہ بات سن کر ڈولی نے محسوس کیا کہ معصوم  
چاندنی کی باتوں کی خوش بو ہر طرف پھیل گئی ہو۔

طرف بدستوری چلی گئی تھی۔  
"تمہارا نام کیا ہے؟" ڈولی نے پانی کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"چاندنی، میرا نام چاندنی ہے۔" بچی بولی۔  
"بہت پیارا نام ہے، تمہارے جوتے کہاں ہیں؟"

"میرے پاس جوتے نہیں ہیں، میں اسی طرح سکول آتی  
ہوں، صبری امی کہتی ہیں کہ باپ میں بڑھ لکھ جاتوں کی تو مجھے  
خود بخود پیادے سے چلتے مل جائیں گے۔" چاندنی کی باتوں  
نے ڈولی کا دل سو لیا تھا۔ بچے ایک ایک کر پھٹتے پڑ کر رہتے  
تھے۔ ڈولی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا میں آگئی ہو۔ ان  
کی مائی شان کو غشی اور یہاں تک کا حاصل ہمیں کھو بیٹھتے زمانہ  
نہ ہو گا، مگر یہاں کی ہر چیز ہی مختلف تھی۔ زندگی کی بنیادی  
سہولتوں سے محروم بچے حصولِ علم کے لیے کوشاں تھے۔ وہ اس  
سکول میں زیرِ تعلیم تھے جس کی کوئی عمارت نہ تھی۔ ڈولی نے  
زندگی کا یہ رخ پہلی بار دیکھا تھا۔ سنی کی دلی کیفیت بھی ڈولی  
مجھسی تھی۔ وہ ٹیپ دہل سے ریڑی اٹھ کے لیے پانی لینے آئے



## میری زندگی کے مقاصد



شیرینی و شیرینی های دیگر که در این کتاب آمده است  
طعمی و رنگی بسیار زیاده است.



میں نے اس کو کہہ دیا کہ تم میری بہن ہو۔  
 اس نے کہا کہ تم میری بہن ہو۔



خداوند تعالیٰ دعا فرمائی  
 کہ میں اپنے لیے ایک گناہ کی  
 سزا دیکھوں۔



بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين



فرمیں کہ جس نے اسے دیکھا  
اس نے کہا کہ یہ تو خدا کا  
موجود ہے۔



یاد رہے کہ اس وقت تک کہ



میں نے اپنی تعلیم حاصل کر کے  
ملک و قوم کا نام لے لیا ہے۔



میں نے اپنے سر پر لٹکا ہوا  
میں نے وہ کرکٹ کی ٹیم کا  
کپتان کا صدر ایجنٹ بننے کا  
میراثہ کر لیا تھا۔

[illegible]

کے لئے جو کچھ کہنا ہے



محمد باقر اصفهانی، صاحب کتاب  
 شرح و تفسیر کتاب التوحید و التوکل  
 و التوکل و التوکل و التوکل

[illegible]

میں نے اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا۔



شیراز۔ توحید میں مثال سے کہہ رہے ہیں۔  
کھانا کھا کر صدمہ کر رہا ہے۔



پیشہ کی طرف سے



یہی قصہ حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت کو سامان رکھنا ہے۔

[illegible]

آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ



میں نے ان کے ساتھ کئی سالوں تک کام کیا ہے۔



ہیں، انھوں نے یہ کہہ کر ملک و قوم کی  
خدمت کو اپنا مقصد بنایا۔



میں نے ان کو دیکھا تھا۔  
میں نے ان کو دیکھا تھا۔  
میں نے ان کو دیکھا تھا۔

کے لیے یہ کامیابی کے لیے ہے۔

عشق زندگی کے استاد



# تجارت

تاریخ



فرمانِ مہاشی، ص ۵۰، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۵۰ھ کے چپ کی تصدیق



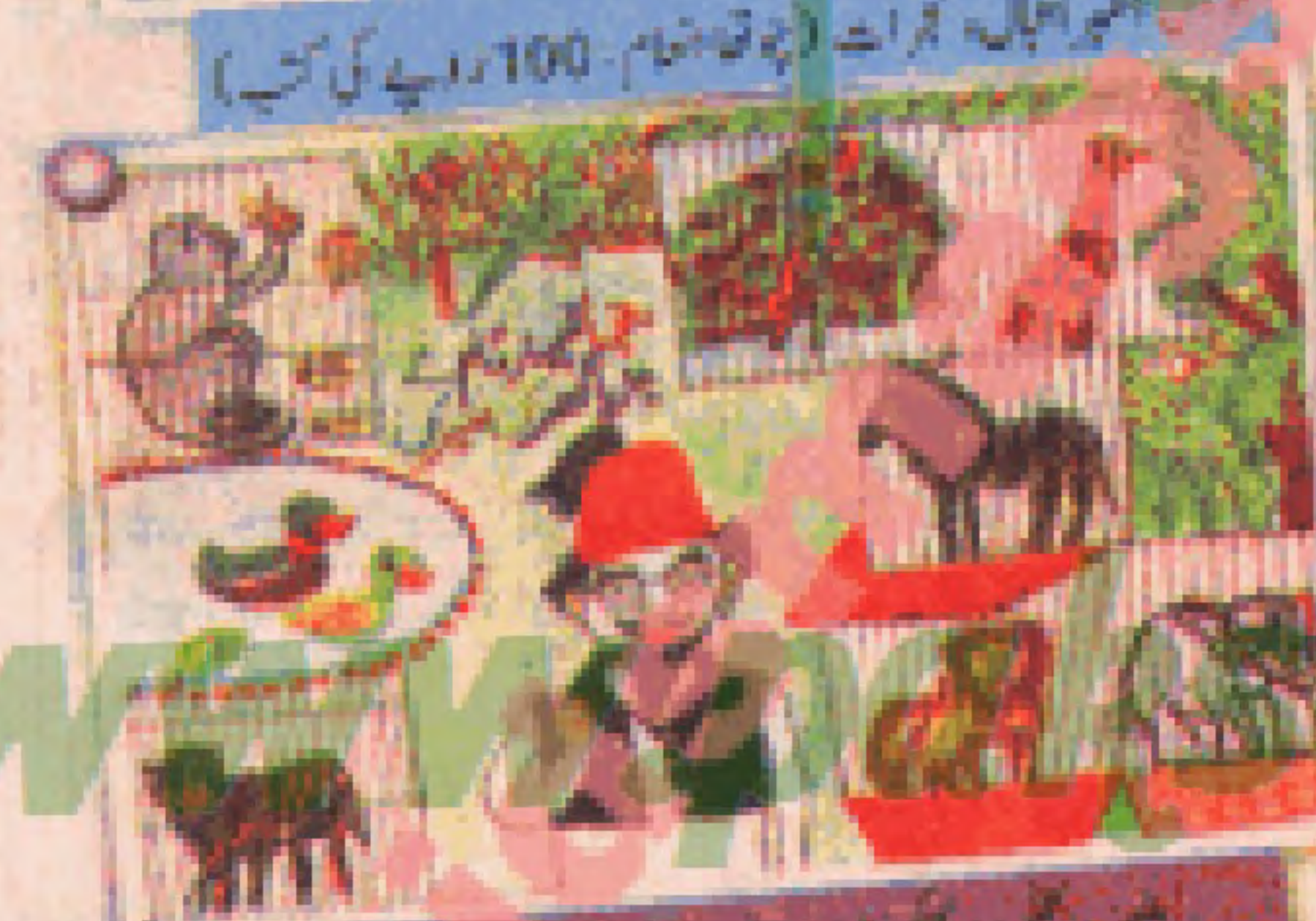
خانقاہ منورہ اسلام آباد (تقریباً 175 روپے کی کتاب)



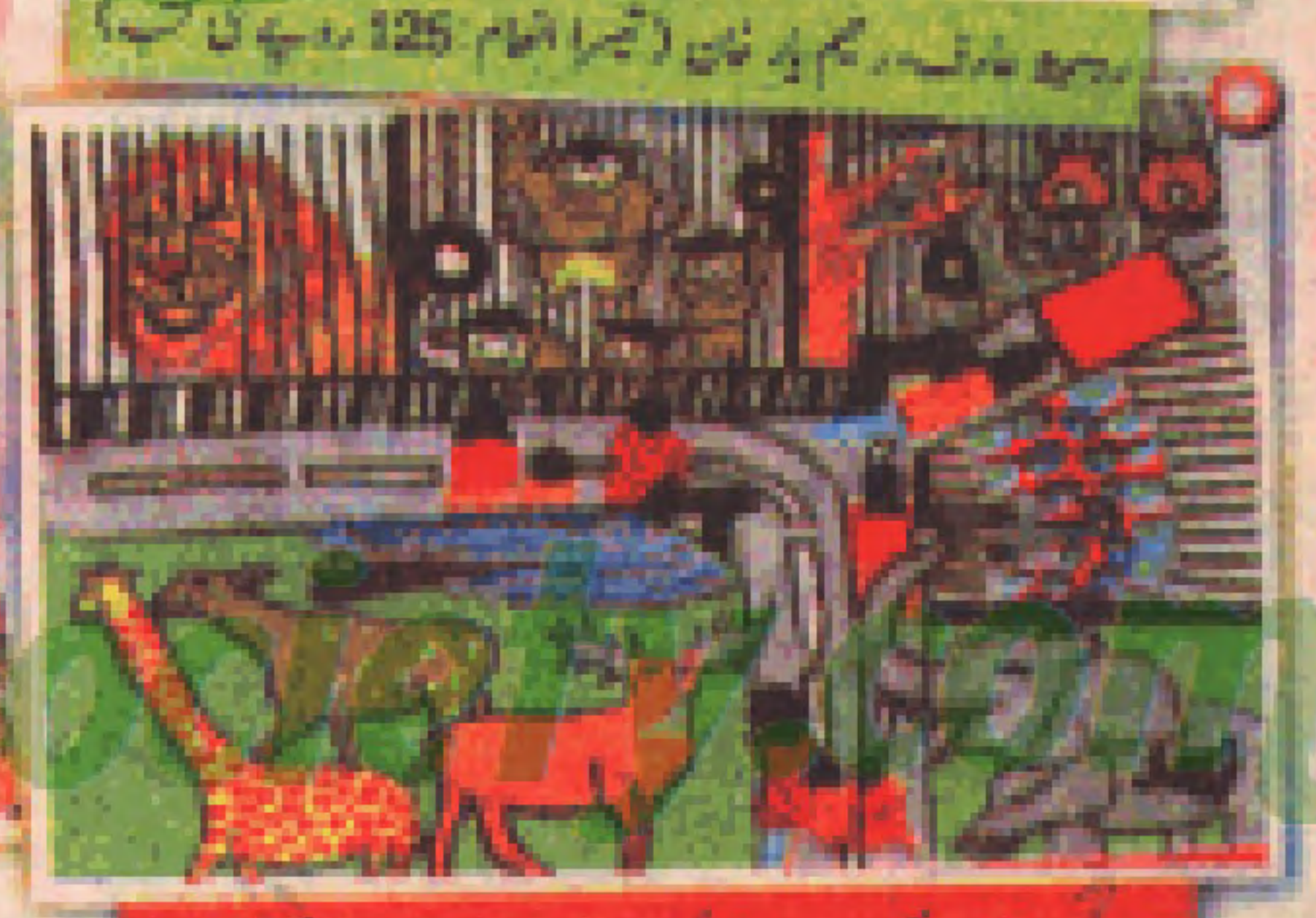
انجمن اقبال گجرات (چوتھا شمارہ - 100 روپے کی قیمت)



مجموعہ ہدایہ و ترجمہ پر غائی (تیسرا اقسام 125 مدد کے کی کتاب)



محمد علی بکر (پہنچا عام 75ء)



احمد حکیم، خان، کوئٹہ اور (پانچواں طباعت، 90ء، پے کی کاپی)

[illegible]

یہاں پر تصویر کی پڑی ہوئی ہے۔ یہ تصویر ایک چاروں طرف سے

100

1. **Introduction**  
 2. **Background**  
 3. **Methodology**  
 4. **Results**  
 5. **Conclusion**  
 6. **References**

Diabetes

about



اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب کیجئے۔  
عنوان بیچنے کی آخری تاریخ 10 ستمبر 2011ء ہے۔

## بلا عنوان



اگست 2011ء کے "بلا عنوان کائناتوں" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے

مجلس ادارت کو 200 عنوانات پسند آئے اور یہ ساتھی بہاریہ قرعہ اندازی 500 روپے کی کتب

کے انعامات کے حق دار قرار پائے۔

☆ عید ملنے کا اسٹاک ذرا بہت کے۔ (علامہ احمد نجفی، ملتان)

☆ جذبہ عید، قافلہ دید۔ (ذریعہ قریش حیات خان، پٹوالتان خان)

☆ عید ملو تو ایسے۔ (سید مہداحمد، لیگل آپڈ)

☆ عید ملتا تو کوئی ہم سے نکلتے۔ (محمد سجاد، کوہاٹ)

☆ عید کی خوشیوں کو کاروبار بنانا سیر می لے دلوں کو ملایا۔ (رحیمہ آفتاب، راول پڑی)





# The Taleem-o-Tarbiat, Lahore

CPL NO. 123 PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES



Pakistan's Favourite  
**Tomato Ketchup!**

